

اظہارِ حسن زیدی  
کی

چند نقاریر

از صفدر حسین ڈوگر  
راولپنڈی

## انتساب

حضرت زید شہیدؑ کے نام

جن کی سنت ادا کرتے ہوئے حضرت خطیب آل محمد  
مولانا سید اظہر حسن زیدی اس مصلوب ماحول میں وقت گزار  
کر اپنے آباؤ اجداد کے جوار میں تشریف لے گئے۔  
میں اس کتاب کا ثواب ان کے درجات کی بلندی کے  
لئے ان کی روح کی نذر کرتا ہوں۔

شاعر آل عمران صفدر حسین ڈوگر

یٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

Nazar Abbas

## منقر و خطیب

لاہور کے روزمرہ اور شہر کے مذہبی اور اجتماعی حلقوں میں "نزدی صاحب" سے مولانا اظہر حسن صاحب ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ یہ کمال محبت کی دلیل اور کمال شہرت کا ثبوت نصف صدی سے وہ پنجاب میں دین کی خدمت کو رہے ہیں اور متحدہ ہندوستان کے ان صاحبانِ مہتمم میں شمار ہوتے ہیں جن کی تقریر ہمیشہ لاجواب مافی جاتی رہی۔ پاکستان میں وہ طرزِ خاص کے موجد اور نفیس ترین انداز کے خطیب ہیں ان کا زنگ ڈھنگ سب سے جدا اور ان کا اسلوب بیان سب سے الگ ہے۔ خطابت ان کو فطری طور پر ملی ہے۔ فطری طور پر وہ خطیب ہیں۔ ان کا لہجہ، ان کی آواز، ان کا انتخاب ان کی زبان کی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ وہ اسٹیج پر لفظوں سے جا دو کرتے ہیں۔ وہ مہتمم پر فقروں سے گلستے پیش کرتے ہیں۔ وہ سبک روی میں گل پٹی اور مہتمم پر مہتمم کو گل و گلاب کی بارش کرتے ہیں۔ زبان پر انہیں وہ قدرت ہے کہ بڑے بڑے ادیب و نگ رہ جاتے ہیں

وہ ————— بات سے بات نکالتے ہیں تو صاحبانِ ذوق پھر کج جاتے ہیں اور فقرے پر فقرے کہنے ہیں تو سونے والے جاگ جاتے ہیں۔ جمع کیسا ہی ہو وہ سننے والوں کو اپنے ساتھ کر لیتے ہیں جوش کو ٹھنڈا کرنا، جھوٹ کو توڑنا، خاموشی کو درد و سلام، داد و نعرے میں بدلنا۔ اور غمروں کو آہوں میں ڈھاننا سب نے دیکھا ہے۔ ان کے یہ

کامالات فن دیکھنے والے جانتے ہیں کہ کوئی دوسرا خطیب وادیب، مقررہ  
ذکر محنت و کوشش کے باوجود اس سادگی و آسانی سے اس مشکل سے  
عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔

بیل بوستان آل عیاء، شیریں دہن، شیریں بیان، سادہ زباں اور  
رسیلی آواز سے جب گفتگو شروع کرتے ہیں تو دو سطوں کا کیا ذکر دشمن بھی  
گوش برآوانہ موجاتے ہیں۔ جب وہ نکلتے، فضائل کے رستے، مطالب  
کے گوشے نکالتے اور مجمع کہ طیف توین پیرایے میں بات سمجھاتے ہیں  
تو جاہل و عالم، زبیرک و نکتہ شناس، ادانا اور نادان سب کہ لطف آتا  
ہے، سب داد دیتے ہیں، سب اپنے اپنے ذوق اور رسائی کے مطابق  
ان کی بات سمجھ جاتے ہیں۔ جیسے غالب کا شعر یا ایس کی بیت ہو۔

خطیب آل عملاً، اردو میں خطبہ پڑھتے ہیں۔ آیت کے ترجمے سے  
کلام کا آغاز کرتے ہیں۔ اجنبی محسوس کرتا ہے کہ مولا ناعربی نہیں جانتے  
آہستہ آہستہ جب وہ تغیر و کلام، مناظرہ و تاریخ کی مشکلات سے گذرنا  
شروع کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالم حیراں رہ جاتے ہیں کہ یہ شخص کس قدر  
صاحب نظر و وسیع المطالعہ اور عالم و قابل ہے۔ انہوں نے شروع شروع  
میں مدرسہ میں پڑھا ہے اور بنیادی علوم اسلامیہ سمجھ کر نکلے۔ حافظہ بلا کا ہے  
اور اب تک مسائل یاد ہیں۔ لیکن اقتاد طبع کے ہاتھوں اظہار و مبالغہ سے  
بچے اور مولانا اظہر حسن صاحب قیلہ سے زیدی صاحب بننے کو ترجیح دی  
خوش باشی اور بے تکلفی نے انہیں ہر ایک گروہ میں داخل کر دیا، ہر طبقے  
کے افراد انہیں اپنا سمجھتے اور وہ بھی سب کو اپنا جانتے ہیں۔ اسی بنا پر انکی

شہرت میں محبوبیت اور انہی محبوبیت میں شہرت کی آمیزش ہے۔  
 جناب مولانا اظہر حسن صاحب زیدی - ایک خوش حال زمیندار،  
 باعزت خاندان سادات کے فرزند ہیں۔ ان کے مزاج میں بے نیازی،  
 ان کے طور طریقوں میں خودداری، ان کے لباس میں نفاست، ان کی معاشرت  
 میں خوش باشی اور ان کے اخلاق میں دل کشی ہے۔ وہ ایک مدت دہلاڑے  
 مریض ہیں مگر مرض ان کی شگفتگی اور مسکراہٹ کو ختم کرنے سے عاجز آچکا  
 ہے۔ انہیں ایک حکمران نے کچن دیتے کی تدبیر کی، جیسے کسی زمانے میں  
 خانخانان کو ہاتھی کے پیروں نلے ڈالوانے کی سعی کی جاتی تھی، آمرانہ نظام  
 اور دین دشمن حکمران کے دور میں علاوہ اسے کہا کہ چاند نہیں ہوا کل عید نہیں ہے  
 اور وقت کے فراموشی کے ماحقے پر شکن آگئی۔ مولانا اظہر حسن صاحب زیدی  
 ظلم کی ٹیکہ سے چور چور ہو گئے مگر دشمن انہیں مار نہ سکا، وہ زندہ ہیں۔ اور  
 زندگی سے برس بیکار ہیں۔

وہ دشمن پر اپنے طنز کے تیز و خنجر سے حملے کرتے ہیں۔ اور دوستوں  
 کو گل کے تحفے اور بیس کے چھپے پیش کرتے دہتے ہیں۔ ایک مدت سے  
 امراض اور ایکسڈنٹ کی تکلیفوں نے نڈھال کر رکھا ہے سننے کی قوت  
 ختم ہے اور دیر تک بولنے کی عادت بھی نہیں رہی ہے۔ اس کے باوجود  
 جب وہ بالائے مین آتے اور تقریر شروع کرتے ہیں تو انداز سخن دہی، رنگ  
 بیان دہی۔ مخاطب کی مقناطیسی کیفیت اور طبیعت کی نکتہ آفرینی دہی ہے۔  
 خوشی ہے کہ جناب مولانا الحاج سید اظہر حسن صاحب زیدی کی  
 تقریریں نسبتاً مختصر ہیں۔ ان کی محبت کے امیر اور ان کے فن کے

نہ روزانہ احباب ان کی مجلسوں کو بڑے اہتمام سے چھاپ رہے ہیں اور اس قابل صد تحسین منصوبے اور عمل پر ان دوستوں کو آفرین دی جا رہی ہے۔ اس مجموعہ تقاریر سے اہل علم و ادب کو مولانا زیدی صاحب کے فن اور ان کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

مولانا زیدی صاحب زندہ گی کا مقصد اشاعت فضائل و مصائب اہلبیت بنا چکے ہیں محمد و آل محمد کے پرستاروں نے ان مجلسوں کو فضا سے کتاب اور گوش سے ہوش تک منتقل کرنے کا عمل انجام دے کر بڑی خدمت دیں گاہے۔

اللہ - جناب زیدی صاحب کو صحت و قوت و توفیق مزید عطا فرمائے اور حضور محمد و آل محمد علیہم السلام سے ان کی حمایت دیں کی سعی کو مند قبول عطا ہو۔ اور ناشرین کو علم و عمل و تبلیغ دین کی توفیق ملے۔

کہ بلا کے شہید اور امام حسین علیہ السلام حضرت زینب سلام اللہ علیہا۔ اور حضرت عباس علیہ السلام کے خدمت گزار اپنی اس کوشش کو بطور شرف و انجام فرض مومنین کی خدمت میں پیش کرتے اور بہترین دعاؤں کے متمنی ہیں۔

نیا زکیشے

مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الا اناضل -

۱۵ - مغلے پورہ - لاہور

آغا شورش کاشمیری  
(مرحوم)

## داستانِ کربلا کے مصور

مولانا سید اظہر حسن زیدی

سید اظہر حسن زیدی بفضلِ تعالیٰ بقیہ حیات ہیں۔ خدا انہیں تادیر سلامت رکھے۔ شاید اب وہ ذاکری کے چنستان کا آخری بلبل ہیں وہ الفاظ کی انگوٹھیوں میں مطالب کے نیچے جڑتے ہیں۔ اُن کا اسلوب ادیب کا — نچوہ ذاکر کا اور اُڑان شاعر کی ہے — شاعر ہوتے تو میرا نہیں ہوتے اور انیس خطیب ہوتا تو زیدی ہوتا جھوٹے چھوٹے جملے گویا سب گفتمار میں کلیاں رکھی ہیں۔

انہیں پہلی دفعہ استقبالِ محرم کے جلسہ میں سنا تو عجیب عالم تھا۔ شیعہ بھائی تو اٹکبار تھے اور اُن کی آہیں عرش کے دل میں کھٹ رہی تھیں لیکن حنفی العقیدہ بھی آنسوؤں کا جھالا بنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا اظہر حسن زیدی نے ہمیں تاریخ کی سڑک پر ڈال دیا ہے اور ہم یکا یک کربلا کے رگڑے میں پہنچ گئے ہیں اور کربلا نے اپنے لیل و نہار کی نقاب اُلٹ کر شہادت کے لمحوں میں پہنچا دیا ہے۔

وہ سائے حسین اور اُن کے خیمے ہیں

ادھر فرات کی نہر اور اس پر عمر بن سعد کی فوج کا پہرہ ہے ادھر باطل کا ہاتھ حق کے گریبان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تقاسم وار سد رہا ہے۔ اصغر کے نتھے گلے میں تیر پیوست ہیں۔ عباس کا سینہ زیدی قصابوں کا کندہ ہے۔

ایکا ایکی حسین بڑھتے اور شقی القلب انہیں مجروح کر کے زمین پر گرادیتے ہیں اُن کی گردن کاٹ کے نیزے کو سجانے پھر جلوس بنا کر شام کی جانب روانہ ہوتے ہیں اور

وہ خاندان رسالت کی کوشلیں قید کا ہو کر بے بجا وہ اونٹوں پر جا رہی ہیں  
 اَظْهَرُ حَسَنَ زَيْدِي اہل بیت کے خطیب ہی نہیں سائو کہ بلا کے  
 مصور بھی ہیں۔ غالب خلد آشیانی نے انہیں سے متعلق کہا تھا ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے



۲۷ رجب کو امام حسین کے پاس مسجد میں یہ اطلاع آئی ہے کہ ولید نے آپ کو دربار میں بلایا ہے۔ نماز سے فراغت پا کر آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں۔

یہاں سے چند جملے اظہر حسن صاحب کے آپ ملاحظہ فرمائیں —

”حسین گھر میں آئے، زینب نے دسترخوان چنا گھر کے تمام افراد جمع ہوئے، کھانا شروع ہوا کھانے کے بعد سب اپنے اپنے حجروں میں چلے گئے لیکن زینب نے محسوس کیا کہ بھائی آج بہت محاموش ہے، کچھ دیر نہ گذری تھی کہ بھائی نے صحن خانہ سے بہن کو آواز دی کہ زینب ذرا میرا لباس لاؤ میں باہر جانا چاہتا ہوں، زینب لباس لے کر آئیں، لیکن حیران تھیں کہ ”کیا بھتیسا اکیلے کہیں جائیں گے“

کیا رنگی آواز دی — عون و محمد اپنے حجروں سے باہر آؤ — ماں کی پہلی آواز پر بیٹے باہر آئے — دیکھو، ماموں جان کہیں جا رہے ہیں، باادب پیچھے پیچھے غلاموں کی طرح جاؤ لیکن یاد رکھنا — میرا بھائی جہاں بھی جا رہا ہے اگر وہاں کوئی شخص میرے بھائی کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے تو اس کے چہرے پر آنکھیں نہ رہیں اور اگر کسی کا ہاتھ میرے بھائی کی طرف بٹھے تو اس کے جسم پر ہاتھ نہ رہیں۔ زینب کی آواز ام فروہ کے کان میں پہنچی، بیٹے کو آواز دی، تاسم —! دیکھو — چچا کہیں جا رہے ہیں، شہزادی اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ بھیج رہی ہیں تم بھی تیغ کے قبضے پر ہاتھ رکھو اور چچا کے ساتھ جاؤ — یہ آوازیں ام لیٹے نے بھی سنیں، بیٹے کے پاس آئیں کہا میرے لال علی اکبر — اٹھو بیٹا کرکسو — باپ کہیں جا رہا ہے، بابا کے ساتھ جاؤ۔ زوجہ عباس نے یہ سارا منظر دیکھا بے اختیار اپنے حجرے کی طرف بڑھیں جہاں عباس آرام کر رہے تھے — چھوٹا بیٹا عباس کے سینے پر کھیل رہا تھا (عباس کا حجرہ دروازے سے قریب تھا جہاں مک صحن خانہ کی آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں) زوجہ عباس نے دروازے پر اپنے چھوٹے بیٹے کو عباس کے سینے سے کھینچ لیا اور کہا — تم یہاں آرام

ملت جعفریہ کے افراد کا ذہن خالص ناقلاً نہ ہو جاتا ہے اور باطل کی تحریر و تقریر کے قریب میں کسی صورت نہیں آتے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عقائد اس قدر مستحکم ہو جاتے ہیں۔ کہ ملت جعفریہ کے افراد سے عقائد پر گفتگو کرنا دوسری قوم کے افراد کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اردو بولنے والے ہر قوم کے افراد کے مقابلے میں ملت جعفریہ کے افراد زبان و بیان کے اصولوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ادب اور شاعری کا ذوق بھی انہیں ہمیں سے حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ہر دور میں نئے نئے خطیب اپنی خطابت کی تعمیر بھی اپنے بزرگ خطیبوں کی خطابت سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔

میں نے کھنوسے کراچی تک بلا مبالغہ ہزاروں مجلسوں میں شرکت کی اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور ذاکروں کی سینکڑوں تقاریر سنی ہیں ان کے شگفتہ طرز بیان کی یادوں پر نقش ہو گئی ہے۔ اب میں اپنے پسندیدہ خطیب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہیں:-

### ”مولانا سید اظہار حسن زیدی“

مولانا اظہار حسن صاحب زیدی کے چار پانچ عشرے سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس کے علاوہ چند متفرق مجلسیں بھی سنی ہیں۔ مجھے ان کا بیان پسند ہے، ان کا بیان نہایت سادہ اور پراثر ہوتا ہے۔ اظہار حسن صاحب نے خطابت میں چونکہ ادبیت کو شامل کر دیا ہے اس لئے ہر جھوٹے بڑے کے دل پر کیسا اثر ہوتا ہے۔ تقریر میں اس قدر ٹھہراؤ ہے کہ پوری تقریر ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں محفوظ ہو جاتی ہے انہوں نے مرنیوں کے مطالعے سے بہت فائدہ اٹھایا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مصائب کے طرز ادا میں ایک ادبی وقار قائم ہے، وہی روایات وہی واقعات لیکن طرز ادا میں شعریت کی چاشنی سے نکھار پیدا کرتے ہیں مصائب کا ایک نمونہ دیکھئے۔

خطابت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ مجھے حیرت ہے کہ فن خطابت پر آج تک کسی ادیب یا خطیب نے قلم کیوں نہیں اٹھایا جب کہ خطابت کے اثرات اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں، فن خطابت نے برصغیر ہند و پاک میں ہماری ثقافت اور ہمارے ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔ اردو زبان کی ترویج اور تہذیبی تطہیر میں نمایاں حصہ لیا ہے اس کے باوجود ہمارے خطیبوں کا نام گوشہ گننامی میں چلا گیا اور آج دنیا انہیں بھول گئی اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ خطیبوں کی زندگی ہی تک ان کی تقریروں کی زندگی رہی، اگر ان کی تقریروں کو محفوظ کر لیا جاتا اور ان پر تحقیقی مقالے لکھے جاتے تو شاید دنیا میں ادب و مذہب میں مرثیہ نگاری کی طرح یہ بھی ادب کی ایک اہم صنف ہوتی چند خطیبوں کے مستودے اکثر و بیشتر چھپے لیکن انہیں نقد و تبصرہ کی میزان میں کبھی نہ تو لایا جاسکا کیونکہ عقیدے کا مسئلہ ہمیشہ سامنے آگیا جس طرح مرثیہ پر تنقید و تبصرے کی عام اجازت ہے اسی طرح اگر ”فن خطابت“ کو بھی اسی معیار پر پرکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ادبِ نشر کی ایک بہترین صنف گوشہ گننامی میں پڑی رہے۔

تلو سال کے عرصے میں ”فن خطابت“ کا جو ڈھانچہ تیار ہوا ہے اسے چند لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فن خطابت کے ماہرین اپنی تقریر کا آغاز خطبے سے کرتے ہیں اور خطبے کے خاتمے پر قرآن کی کسی آیت یا ختمی مرثیہ کی کسی حدیث کو سرنامہ کلام بناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں مضامین بیان کرتے ہیں۔ ابتدا میں ذکر فضائلِ اہلبیت اور آخر میں مصائبِ اہل بیت کا بیان ہوتا ہے۔ ذکر حسین کے فیض سے فن خطابت نے اپنی ارتقائی منزل میں بند رنج خوبصورتی کے سانچھڑے کی ہیں خطابت کا سب سے بڑا فائدہ ملتِ جعفریہ کو یہ پہنچا کہ اس ملت کے افراد پچھین ہی سے دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت زیادہ معلومات کا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دین کے ماضی سے ان کا رشتہ مسلسل ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ

# خطیب

## اور فنِ خطابت

سید ضمیر اختر نقوی لاہوری



ملتِ جعفریہ کے سینکڑوں افراد نے اپنی حیاتِ فنِ خطابت پر صرف کی اور نہ معلوم کتنی زحمتوں کے بعد خطیب اور ذاکر کے لقب سے مشہور ہوئے لیکن آج دنیا ان کے نام تک نہیں جانتی شعراءِ مرثیہ گو پر ہزاروں مضامین اور کتابیں لکھی گئی ہیں مگر مقررین و ذاکرین ہمیشہ گوشہ گمنامی میں رہے ان پر کوئی تحقیقی کتاب تو مشکل امر تھا آج تک کوئی معلوماتی مضمون بھی کسی نے نہیں لکھا۔ مرثیہ نگاروں کے ہزاروں اشعار لوگوں کو یاد ہیں لیکن مشہور مقررین کے پُر اثر اور شگفتہ جملوں سے علم و ادب کے شائقین بھی اب تک بے خبر ہیں۔ خاص طور سے نئی نسل تو قدیم ذاکرین کے نام تک سے واقف نہیں ہے مقررین پر تحقیقی کتاب لکھنا کسی قدر آسان ہے اس لئے کہ اب تک ہر دور میں مقررین کی تعداد شعراء کے مقابلے میں ہمیشہ کم رہی ہے فنِ خطابت فنِ شعر سے زیادہ مشکل فن ہے۔ فنِ خطابت ایک ایسا ملکہ فطری ہے جو اپنی تمام تر نشان و نشوونما کے ساتھ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا کرتا۔ ایک عالم اور قابل شخص ایک اچھی تقریر کر سکتا ہے لیکن جاذبیت پیدا نہیں کر سکتا۔

پاکستان میں فنِ خطابت سیکھنے کے لئے کوئی کالج یا اسکول یا مدرسہ اب تک نہیں ملتا اس لئے نئے مقررین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ذاکروں کے اصول

کر رہے ہو اور آقا کہیں جا رہے ہیں، ساتھ میں عون و محمدؑ تاسم و علی اکبرؑ بھی جانے کو تیار ہیں۔

عباسؑ نے تلوار اٹھائی اور یہ کہتے ہوئے حجرے سے باہر آئے کہ ابھی چند لمحوں پہلے کھانے کے وقت میرے آٹانے اپنے ارادے کا اظہار نہیں کیا تھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنی کمر سے تلوار کھول دیتا۔ محمد بنی ہاشم کی گلی میں یہ جوانان بنی ہاشم حسینؑ کو تلواروں کے سائے میں لٹے ہوئے باہر آئے۔ مدینے والوں نے بنی ہاشم کے اس جلوں کو حیرت سے دیکھا۔ مدینے والوں نے دل بھر کر دیکھ لو۔ یہ مدینے میں بنی ہاشم کا آخری جلوں ہے۔



# خالق عظیم

عقائد

عقائد عظیم

کتاب کرسی و سرسبز و سرسبز و سرسبز و سرسبز  
یہ سب جمال محمد کے استعارے ہیں

افسوساً

بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

تاکہ تمہارے اخلاق کی تکمیل کروں

# إِنَّا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ نے پوری نوع  
انسانی کو راہ ہدایت دکھائی اور انسانیت کو اس کے شرف سے بہرہ ور کیا۔ ہادی اسلام حضرت  
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل انسان کی گردن میں کئی جھوٹے خداؤں کی غلامی  
کا طوق ہوتا تھا۔ اور چار سوظلم و نا انصافی اور عصیان کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے  
یہ ہے وہ حالات کہ یہ ایک غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ہادی اعظم حضرت محمد صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم انسانیت اور تمام عالمین کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے وَمَا  
ارسلناک الا رحمة للعالمین حضور نے اپنی پاکیزہ اور ارفع تعلیمات کے  
ذریعے زندگی کا نیا تصور پیش کیا اللہ کی واحدانیت اور انسان کی برابری کی تعلیم دی قبائلی  
نسبی اور خاندانی بڑائی کے انسانیت کش نظریے بیخ و بن سے اکھاڑ کر عظمت اور  
بڑائی کی بنیاد اچھے اعمال اور اچھے اخلاق پر رکھی اور ظلم و نا انصافی کی ہر شکل کو ممنوع  
قرار دیا۔ آپ کے اثر انگیز ارشادات اور حیات افروز واعظ کا نتیجہ یہ نکلا کہ  
صدیوں کے دشمن بھائی بھائی بن گئے اور بڑے بڑے کمزوروں اور زیر دستوں کے سر پر لٹکتی  
ہوئی تلوار ڈٹ گئی۔ — زخمی اور غلام روجوں کو عظمت اور مسرت کے نئے افق نظر آئے

عام و جاہر حکمرانوں کا تسلط ختم ہونے پر انسانی ذات اور شخصیت کو نشوونما کے نئے موافقہ اور اسباب میسر آئے۔ جہالت کی جگہ علم و عرفان نے لے لی اور اخلاص و محکومی سے بدلے غنا اور آزادی کی روشنی پھیلنے لگی۔

ہادی اعظم کی تعلیم نے پوری انسانیت کا رخ بدل دیا اور گمراہی ارضی پر حریت و مساوات کا نیا سورج طلوع ہوا۔ کالے گورے اور عربی و عجمی کی تفریق ختم ہو کر اقوام و ملل اخوت اور وحدت کے روح پرور رشتے میں منسلک ہو گئیں۔ سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حسن اخلاق کے وہ جوہر دکھائے کہ تمام اہل عرب عش عش کر اٹھے اور آپ کو صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے جن میں اپنے پرانے اور دوست دشمن سب ہی شامل تھے۔ اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ پیش کرتا ہوں۔

جب نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مکے کے لوگ آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جب بازاروں اور گلیوں سے گزرتے تو آپ پر پتھر مارتے اور کوڑا کرکٹ پھینک دیتے۔ ایک بوڑھی عورت کا یہ معمول تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر کے نیچے سے گزرتے تو وہ آپ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتی۔ آپ نگاہ اٹھا کر دیکھتے اور سکر اتے ہوئے سر اور کپڑے جھاڑ لیتے۔ ایک دفعہ آپ اس بوڑھی عورت کے گھر کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ اس دن کوڑا کرکٹ آپ پر نہ پھینکا گیا۔ آپ حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کہ ضرور کوئی وجہ ہے کہ آج اس بوڑھی عورت نے کوڑا نہیں پھینکا۔ آپ نے اس کے گھر کا رخ کیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا میں ہوں محمد۔ اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ بڑھیا کئی روز سے بیمار پڑی تھی۔ آپ نے پوچھا اے عورت کیا بات ہے۔ اس نے ڈرتے ہوئے کہا کہ میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ میں نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا پیا۔ آپ نے



اس عورت کو تسلی دی اور کہا کہ تو فکر نہ کر میں تیری خدمت کروں گا۔ آپ نے اُسے دوا لاکر دی۔ کھانا کھلایا۔ پانی پلایا اور اجازت لے کر چلے گئے۔ اس طرح کئی روز اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت بالکل تندرست ہو گئی اور معافی مانگنے لگی کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔ حضور نے اُسے معاف کر دیا اور وہ عورت آپ کا حُسنِ اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گئی۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے ممتاز نظر آتی ہے۔ مکے کا معلمِ اخلاق پکارا کہ کہتا تھا۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (بقدرہ)۔ جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو، حضورِ خورا پنہیِ تحلیم کا آپ نمونہ تھے۔ اخلاق و عمل کا جو کتبہ آپ دوسروں کو سکھاتے تھے خود اس کا عملی پیکر بن جاتے تھے۔

انہوں نے پوچھا۔ تم قرآن نہیں پڑھتے؟۔ آن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن۔ آپ کا اخلاق بہترین قرآن تھا۔ موجودہ صحائف آسمانی اپنے دعوؤں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے؟۔ قرآن مجید لاکھوں محافلین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی کی نسبت گویا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔ تاریخ کہتی ہے کہ اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اوزنوت کے بعد پچیس برس تک آپ کے حرمِ پاک میں زوجیت سے مشرف ہو کر ہدم و مسازر میں۔ آغاز نبوت میں آپ کو ان الفاظ سے تسلی دیتی ہیں۔ "ہرگز نہیں خدا کی قسم۔ خدا آپ کو تمکین نہ کرے گا۔ آپ رحم کرتے ہیں۔ مقروض کا بار اٹھانے میں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے متعلق فرماتی ہیں کہ سرور کونین کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ بڑائی کے بدلے بڑائی نہ کرتے بلکہ درگزر فرماتے تھے۔ آپ نے کسی سے ذاتی معاملے میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ نے کبھی کسی غلام لونڈی کو۔ کسی عورت کو۔ کسی خادم کو۔ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ نے کبھی کسی کو درخواست رد نہیں فرمائی۔ چہ جائیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ جب گھرتے لے لاتے تو نہایت خنداں ہنستے مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیل کر نہ بیٹھتے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔ رات کی تنہائیوں اور خصوصی اوقات میں اپنے دشمنوں کی اصلاح کے لئے دعاؤں فرماتے۔ آپ نے کبھی کسی کے لئے بدعاناہ کی۔ آپ حسنِ اجلاق کے مجسمہ ہو کر تھے۔ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاق کے وہ مایہ ناز نمونے چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک مشغلِ راہ رہیں گے۔ آپ نے ہمسائوں سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمسائے کے بہت حقوق ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہمسایہ رشتے دار سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

ہمارے سرکار اور پیارے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجتہم عمل تھے۔ اپنا کام خود اپنے دست مبارک سے کیا کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم اپنے پھٹے پرانے کپڑے خود سی لیتے۔ بکریاں کا دودھ خود دودھ لیتے۔ اپنے جوتے خود کاٹھ لیتے۔ جھاڑو خود دے لیتے۔ غرض گھر کا ہر کام خود کر لیتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے ہمیشہ مساواتِ صحابی چارے اور ساریگی کا درس دیا۔ آپ نے بے جا صرف اور فضول خرچی سے منع کیا اور فرمایا مینا نہ روی اختیار کرو۔ حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ عفو و درگزر کی تلقین فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہے کہ دشمن کو معاف کر دے اگر کسی سے

غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اُسے درگزر کر دے۔ غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔ جس نے اپنے غصے پر قابو رکھا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنوں کو معاف کر دیا تھا اور یہاں تک کہ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کروانے والی عورت بندہ کو بھی معاف کر دیا۔

تجارت میں آپؐ نے علمی طور پر حصہ لیا اور اس کے ساتھ ساتھ آپؐ نے تجارت کے فضائل اور اصول بیان فرمائے۔ مسلمانوں کو تجارت کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ سچا امانتدار تاجر قیامت میں انبیاء اور سچے لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ آپؐ نے تجارت کے غلط طریقوں سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا۔ لعنتی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہ گار ہے۔ ملاوٹ کی مذمت کرتے ہوئے کہا جس نے دھوکا دیا وہ میری امت میں سے نہیں۔

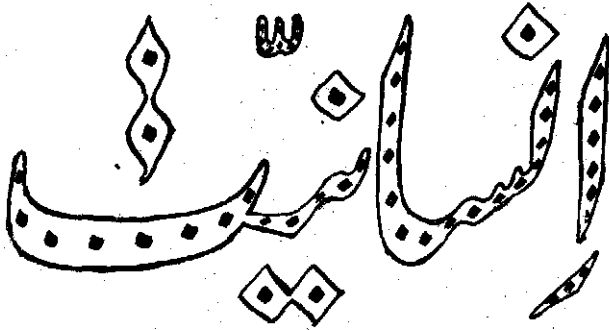
قرآن جائیے اس محسن انسانیت اور رحمت اللعالمین کے جنہوں نے علمی طور پر مزدوری فرما کر مزدوروں کے حوصلے بلند کر دیئے اور معاشرے میں ان کو باعزت مقام دلایا۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حصہ لے کر آپؐ نے پتھر۔ مٹی اور کارا اٹھانے والوں کی رہنمائی کی صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم سے زیادہ پتھر حضور اکرمؐ نے اٹھائے تاکہ آنے والا مزدور آپؐ کا آسودہ حسد دیکھ کر احساس فرض کا حامل بنے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علم کو طلب کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔ گہوارے سے لے کر قریب تک علم حاصل کرو۔ ایک اور مقام پر تمام مسلمانوں پر علم دین کا طاب کرنا فرض قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ تمہارا اخلاق کو مکمل کر دوں۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ بچوں سے پیار تھا وہ بچوں سے محبت

اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کو بچوں سے اتنا پیار تھا کہ آپ جب کبھی بچوں کے قریب سے گزرتے تو کمال شفقت سے ان کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ والدین اپنے بچوں کو جو سب سے قیمتی اور اعلیٰ تحفہ دے سکتے ہیں وہ بچوں کی اچھی تربیت اور اچھی عادتیں پیدا کرنے کا تحفہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو چھوڑوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو خدا کی راہ میں حیرات کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں رنجیدہ تشریف لائے میں نے رنجیدگی کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا ام سلمیٰ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی تھی وہ میرے بستر پر پڑے رہ گئے تھے۔ حیرات کرنے میں دیر ہو گئی۔

دنیا سے رحلت کے وقت جب آپ بیمار تھے تو آپ کو خیال آیا کہ چند اشرفیاء گھر میں موجود ہیں۔ آپ نے انہیں حیرات کا حکم دیا۔ فرمایا جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رخصت ہو کر جب اپنے رب سے ملوں تو اس وقت میرے گھر میں اشرفیاء موجود ہوں۔





یہ شہادت ہے اُس انسان کی کہ اب حشر تک  
 آسمانوں سے آئے گی انسان انسان

محمد رفیع

یہ میری خوش قسمتی سمجھیں یا یہ کہ میری زندگی کا رُخ اس طرف مڑ گیا — خدا جانے  
 کیا قصہ ہوا کہ تقریباً ساری ہی زندگی اس طرح سیٹھی پر کچھ نہ کچھ ہوتے گذر گئی اور جو شے  
 بڑے ہر قسم کے مجموعوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور کی — زیادہ تر میری گفتگو کا موضوع  
 یہی مذکورہ متحدہ وائل ٹمپل رہا — اور اسی مناسبت سے شاید ان طلبانے بھی مجھے  
 حکم دیا کہ یہاں آکر کچھ عرض کروں — بہت ہی ڈرا — یہاں میں اتنا ڈر رہا تھا  
 آہا ہوا کہ مجھے دو تین طالب علم پکڑ کے لائے ہیں — ایک بے پڑھا لکھا آدمی مدرسے  
 میں آتے ہوئے ڈرتا ہے — مجھے بڑا ڈر لگا کہ یہاں آ کے میں کیا کہوں —  
 طلبہ کا مجمع ہے — اہل علم کا بھر مٹ ہے — بال کی کھال نکالنے والوں کا مجمع ہے —  
 مہربان کو سونپنے سمجھنے والوں کا اجتماع ہے — سناروں کو قید کرنے والوں کا مجمع ہے  
 حکمت کی نہریں جاری کرنے والوں کا مجمع ہے — سائنس کے دریا بہانے والوں کا مجمع ہے  
 — چاندیہ کندہیں پھینکنے والوں کا اجتماع ہے — ذروں کا جگر پھاڑنے کے قیامت ڈھانے  
 والوں کا مجمع ہے — دنیا بھر کے سائنس اور عقل و فلسفے اور منطق کو دل میں سمونے  
 والوں کا مجمع ہے —

اور کہنے والا از کار رفتہ بوڑھا آدمی — بھلا میرا آپ کا کیا ربطہ کیا جوڑہ، میں  
 جس زمانے کی آپ سے بات کرونگا وہ زمانہ آپ سے کبھی کا پرانا ہو گیا — نئی بات  
 مجھے آتی نہیں — اگر پرانے یونیورسٹی کمپیس میں کوئی بلاتا تو چلا جانا — نیو کمپیس میں پرانا  
 آدمی — تو بجائی میرے ذہن میں تو کوئی بات تم سے کہنے کے لئے ہے نہیں —  
 نہ کوئی موضوع ہے ایسا جو تمہارے سامنے بیان کیا جائے نہ کوئی گفتگو — بڑے ہی  
 شوق سے بے خودی کے عالم میں وہ سن رہا تھا جو آئیں یہاں جو رہی تھیں — بڑی اچھی

شاعری، بہترین مثنوی گفتگو۔ میرا دل لگا ہوا تھا کہ ستار ہا ہوں۔ اچانک حکم ہوا کہ تو بھی کھڑا ہو کے کچھ بول۔ اب یہ طلبہ خود بہتر جانتے ہیں کہ اپنی عقل میں کتنا ہی چمکنے والا ہو طالب علم، جب سبق سنانے کا موقع آتا ہے تو بات اور ہوجاتی ہے۔ اب میں اتنے استادوں کے سامنے سبق سنانے کھڑا ہوا ہوں۔ کہیں جنول جاؤں، کہیں غلطی ہو جائے۔ کہیں اور کوئی بات ہو جائے تو میں کیا کہوں؟ کیا بات کروں؟ بہر کیف ایک مذہبی ماحول میں گفتگو کرنے والا آدمی اپنی بات مذہبی طور سے ہی شروع کرتا ہے۔ پتہ نہیں آپ کو میرا مذہبی طرز پسند بھی آئے گا یا نہیں؟

۔۔۔ میں وہی مذہبی باتیں جو میں کیا کرتا ہوں۔

مسلمان تجو!۔۔۔ مسلمان تجو میں نے اس لئے کہا ہے کہ اس مجھے کے سامنے مجھے یہ ثابت کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ اسلام کوئی بڑا اچھا مذہب ہے۔ اس لئے کہ یہاں سبھی مسلمان ہیں۔ تمہیں اسلام کی خوبی بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہونا! مسلمان؟ آپ تو سب ہیں ہی مسلمان، خدا کے فضل سے۔ اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے آپ کو پیدا ہی مسلمان کیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے نا۔ اگر اللہ کسی مسلمان کی بجائے کسی عیسائی یا یہودی کے گھر میں پیدا کر دیتا۔ ہو سکتا ہے ہم وہی ہوتے۔ اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ کیوں بھی یہی ہے نا؟ ایسا تو ایک آدھ آدمی کہیں کوئی ہوتا ہے۔ جو پیدا کہیں ہو۔ عیسائی وغیرہ کے گھر اور اپنی تحقیق سے مسلمان ہو۔ یہ بہت کم مثالیں ہوتی ہیں۔ عام طور پر مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے لہذا مسلمان ہیں۔ اور ایک اور مشکل متی ہے۔ تمہیں تو اندازہ نہیں اس بات کا کہ میں پیدا ہوا مسلمان کے گھر میں۔ لہذا ہوں میں مسلمان۔ اگر خدا نخواستہ خدا نخواستہ توبہ، توبہ، ایسا ہونہ کہیں۔ اگر میں ہو جاؤں عیسائی۔ اور پکا کٹر عیسائی بنوں۔ بڑا ہی

ترتیب عیسائی بنوں۔ مگر ساری زندگی عیسائیوں کو مجھ پر شبہ رہے گا کہ ممکن ہے جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کا جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں نے جاسوس کر کے بھیجا ہو۔ انہیں مجھ پر یقین ہی نہیں آئے گا۔ جب پیشا کریں گے، آپس میں چار عیسائی کہیں گے۔ ہونہ ہو، "دہتوں" وہی ہے۔ یہی کہا کریں گے۔ قسمیں کھاؤں۔ لاکھ اقرار کروں۔ کچھ بھی کہوں۔ مگر وہ کہیں گے۔ "اُدنوں ہے وہی"۔ تو کیوں شبہ رہے گا مجھ پر مسلمان ہونے کا ساری زندگی، باوجود میرے تردید کرنے کے۔ چونکہ میں پیدا ہو گیا ہوں مسلمان کے گھرمیں۔ سمجھ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص جس کے گھر میں پیدا ہوا۔ یہ کچھ قدرتی مساببات ہے۔ وہ لاکھ کہے کہ میں وہ نہیں ہوں مگر جس گھر میں پیدا ہو جائے۔ اس پر شبہ رہتا ہے ساری زندگی۔ ہونہ ہو وہی ہے۔ جس گھر میں جو پیدا ہو گیا۔ تو یہ بات ہے بھائی۔ ہمیں خدا نے مسلمان گھر میں پیدا کر دیا۔ ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ نے جب اس کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور یہ میں پڑھے لکھے حضرات کے سامنے پھر کہہ دوں کہ یہ جو الفاظ ہم استعمال کریں گے گفتگو میں۔ خدا سے متعلق، رسول سے متعلق تو یہ الفاظ ہیں جو ہماری عقل کی رسائی میں بڑے اچھے الفاظ ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صحیح معنوں میں ان کی شان کے مطابق بھی ہیں جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ کے لئے الفاظ ہمارے پاس نہیں۔ جن سے ہم اللہ کا ذکر کر سکیں۔ بس اللہ کے لئے ایک ہی لفظ ہمارے پاس ہے۔ کیا ہے کہ بس اللہ۔ اللہ کیا ہے؟ اللہ۔ یعنی اللہ کیا ہے؟ اللہ۔ آگے؟ اللہ ہی اللہ خیر صلا۔ بس اللہ۔ اللہ کیا ہے؟ اللہ۔ اور کوئی لفظ ایسی تک ہے ہی نہیں ہمارے پاس اللہ کے لئے سوائے اللہ کے۔



ہے، یہ بھی نقصان پہنچتا ہے، غلام کرتا ہے، ہمیں اذیت دیتا ہے، ؟؟  
 پھر ڈرو کیوں اللہ سے۔ بولو بچی۔ کہتے ہیں ڈرو۔ کیوں ڈرو۔  
 کیا وجہ ہے ڈرنے کی؟ کیا اللہ ہم پر مہربان نہیں۔ اللہ ہمیں پیار نہیں کرتا۔  
 اللہ ہم سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ کو ہم سے پیار نہیں۔ ہم سے زیادہ ہم سے  
 پیار نہیں ہے اللہ کو۔ اللہ جیسا پیارا، اللہ جیسا محبوب، اللہ جیسا اچھا۔  
 اللہ جیسا حسین۔ اللہ جیسا معشوق۔ اس سے ڈرا ڈرا کے مار دیا لوگوں کو  
 کہ اس سے ڈرو۔ اللہ سے۔ یاد رکھو میرے محترم بھائیو، بچو، عزیزو  
 اگر کوئی مولوی صاحب کہیں تو بے شک میرا نام لے دینا۔ گناہ میرے ذمے  
 اللہ سے مت ڈرو۔ سمجھے۔ اللہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ اللہ ڈراؤنی  
 شے نہیں ہے۔ اللہ ظالم نہیں ہے۔ اللہ سستا نہیں ہے۔ دیکھو  
 بچو، اللہ محبوب ہے، اللہ معشوق ہے، اللہ پیارا ہے۔ اللہ حسین ہے۔  
 سمجھے جب وہ حسین ہے وہ محبوب ہے۔ وہ پیارا ہے۔ اس لئے اس میں  
 ادا میں بھی بڑی ہیں۔ اور اس کی اداؤں میں ایک بڑی ادا یہ بھی ہے کہ وہ ذرا روٹھ جاتا  
 ہے۔ تو ڈرو اس بات سے کہ اللہ کہیں تم سے روٹھ نہ جائے۔ کہیں ناراض  
 نہ ہو جائے۔ یہ تو مسئلہ بات ہے کہ جتنا بڑا حسین ہوگا، اتنا ہی بڑا نازک  
 مزاج ہوگا۔ جتنا بڑا حسین ہے اللہ، اتنا ہی بڑا نازک مزاج ہے۔ ذرا  
 سی بات پر روٹھ جاتا ہے۔ ہر وقت ڈرتے رہو کہ کہیں روٹھ نہ جائے۔  
 اگر روٹھ گیا تو پھر "یار منادوں ادکھا"۔ پھر اُسے منانا بڑا مشکل ہوگا۔  
 تو اللہ سے اس بات سے ڈرو کہ کہیں وہ تم سے روٹھ نہ جائے اور دیکھو میری بات  
 سنو عزیزو! اللہ کو یاد رکھو۔ سمجھے۔ اللہ کو یاد رکھو۔  
 مولوی صاحبان ہمارے سامنے ترجمہ کرتے ہیں۔ اذکر اللہ ۰۔ اللہ کو یاد کرو۔

اور بٹے سے بٹے علمائے اعلام — بڑے بڑے علمائے کرام بھی جب اللہ کی  
 بات کرتے ہیں نا کھڑے ہو کے — تو دوسری کہتے ہیں کہ مسلمانوں اللہ سے — ارے  
 جی اللہ تو ہے، کیا کریں اللہ کو — تو کہتے ہیں — مسلمانو! اللہ سے ڈرو —  
 سنا ہے یا نہیں تم نے؟ اللہ سے ڈرو — سنا ہے نا؟ مسلمانو! ڈرو اللہ سے —  
 عالم کا وعظ، قبلہ و کعبہ کا فرمان، مولانا کا ارشاد — طلبہ بیٹھے ہیں سامنے — بچو  
 اللہ سے ڈرو — اور ڈرو اللہ سے — اللہ سے ڈرو — ایک دفعہ سنا،  
 دو دفعہ، چار دفعہ، دس دفعہ — آخر بار مولوی صاحب نے اللہ سے جو ڈرایا  
 تو خدا شاہد ہے — کالج کے لڑکوں کا تو مجھے پتہ ہے — یہ تو اتنے ڈر  
 گئے ہیں اللہ سے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہو، ڈر کے مارے نہیں جاتے — مولوی صاحب  
 جو کہتے ہیں، اللہ سے ڈرو — رستہ چلے جا رہے ہیں، سامنے مسجد آجائے —  
 چکر ا کے گذرتے ہیں — کیوں بھی چکرا کے کیوں گذرے — کہ بھی مسجد سامنے  
 ہے — پھر؟ کہ اللہ سے ڈرو — مولوی صاحب نے کہا تھا — ہم اللہ سے  
 ڈرتے ہیں — تو اللہ سے ڈرا ڈرا کے، ڈرا ڈرا کے — ایمان سے ہم لوگوں  
 کا بڑا حال ہوا ہوا ہے — اور کوئی ہم میں سے جرأت کر کے مولوی صاحب سے نہیں  
 کہتا — مولوی صاحب، اللہ سے ڈرو — کیوں اللہ کے بندوں کو اللہ سے  
 ڈرا رہے ہو، خواہ مخواہ کے لئے — بھلا اللہ سے ڈرنا بھی کوئی انسانیت ہے؟  
 — اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈرنا بھی کوئی بات ہے — بس ڈرا رہے ہیں  
 — کیوں بھائیو! ڈر تو اردو زبان کا لفظ ہے — ڈر کے معنی میں پچنا — کس  
 سے پچنا؟ اُس سے پچنا، جس سے اندیشہ ہو ستانے کا — جس سے اندیشہ  
 ہو دکھ پہنچانے کا — جس سے اندیشہ ہو اذیت پہنچانے کا — اب بتاؤ اللہ  
 کوئی سناپ ہے؟ پچھو ہے؟ کیا ہے؟ جو اُس سے ڈریں — ہمیں ستانا

تو میں کہتا ہوں۔ مولوی صاحبان جانے بھی دو۔ یہ ترجمہ عربی نہیں ہے۔ اللہ کو یاد  
 کرو۔ یاد کرو میں کوئی سواد ہی نہیں۔ یاد کرو میں کوئی لطافت ہی نہیں۔  
 سن رہے ہونا بھی میری بات؟ پکی بات؟ جب سنتے سے تمہارا دل بھر جائے کہہ دینا  
 میں اسی وقت بیٹھ جاؤں گا۔ جب تک سنتے رہو گے میں تمہیں سناتا رہوں گا۔ تم  
 بھی کیا یاد کرو گے کسی نے سنائی تھی۔ جب تک سنتے رہو گے میں سناتا رہوں گا  
 تو دیکھو بھائی یہ ترجمہ غلط ہے۔ اللہ کو یاد کرو۔ یاد کرو کہ اگر زندگی میں  
 ایک دفعہ یاد کرو تو یاد کرو پورا ہو گیا۔ عید کے دن کہہ دیا۔ یا اللہ۔ یاد کرو  
 پورا ہو گیا۔ باقی سال یاد نہ کرو بے شک۔ یہ کون سی بات ہے۔ چاہے  
 کسی وقت بھی یاد نہ کرو۔ کوئی بات ہی نہیں۔ اللہ کو ایک دفعہ بھی کہہ دیا۔  
 یا اللہ۔ یاد کرو پورا ہو گیا۔ باقی سال یاد نہ کرو۔ بے شک یہ کون سی  
 بات ہے۔ چاہے کسی وقت بھی یاد نہ کرو کوئی بات ہی نہیں۔ اللہ کو ایک  
 دفعہ بھی کہہ دیا اللہ۔ یاد کرو پورا ہو گیا۔ اللہ ہم سے یاد کرو کا مطالبہ نہیں  
 کرتا۔ اللہ کہتا ہے۔ فَأَذْكُرْنِي ۝ کیا معنی؟ اللہ کو یاد رکھو۔  
 اب تم خود تباؤ پڑھ لکھے۔ یاد کرو اور یاد رکھو میں کوئی فرق ہے کہ  
 نہیں۔ بولو یعنی اللہ کو یاد کرو اور بات ہے۔ اللہ کو یاد رکھو۔ اب  
 سوچو کوئی فرق ہے یا نہیں اس میں ہے نافرقت؟ اور پھر آیت کا اگر تیور دیکھو۔  
 آیت کا اگر لہجہ دیکھو۔ پھر ترجمہ کرو تو یہ ترجمہ بنے گا اس کا اللہ کو یاد رکھو، اور نہ یاد رکھو  
 پھر یہ ترجمہ بتلا ہے اور ترجمہ ہی نہیں بتلا کوئی۔ تو اللہ ہمیں یاد ہے۔ ہم اسے  
 یاد رکھتے ہیں اور اللہ کا ہی ذکر کرتے ہیں محفل میں، مجلس میں مسلمانوں کی۔ تو میرے  
 بھائیو! اللہ نے ارادہ کیا کہ کائنات کو پیدا کرے تو اس نے کائنات کو پیدا کرنے  
 میں ہم مسلمانوں کے امتداد کے مطابق۔ اس کے دلائل کے لئے اس وقت وقت نہیں

چونکہ سب مسلمان مانتے ہیں اول مخلوق جو پیدا کی۔۔۔ وہ تھا نور حضور سرور کائناتؐ  
 کیوں مسلمانو! ہمارا یہ ایمان ہے یا نہیں؟ ہم مانتے ہیں یا نہیں۔۔۔ اول مخلوق۔۔۔ پہلی  
 شے جو اللہ نے بنائی۔۔۔ سب سے پہلے جو بنایا۔۔۔ وہ تھا حضور رسالت مآبؐ کا  
 نور۔۔۔ سمجھے نا حضور؟ اور جب نور حضور کائنات بنا دیا نا!۔۔۔ تو اس کیسے نے  
 گوارا نہ کیا کہ میں بھی کیلا اور بنا ہوا بھی رہے اکیلا۔۔۔ لہذا اس کے چاروں طرف  
 ”چار چاند“ لگا دیئے۔۔۔ تاکہ یہ چار، پانچ ہو جائیں۔۔۔ میں اکیلا رہوں۔۔۔  
 اب جب یہ چار ”پانچ“ ہو گئے تو اور ترقی کی۔۔۔ انہیں بارہ چودہ بنا دیا۔۔۔ جب بارہ  
 چودہ بن گئے تو اللہ نے ایک یونیورسٹی کھول دی کہ بیکار بیٹھ کے کیا کرو گے۔۔۔  
 یونیورسٹی کھل جائے۔۔۔ تم تعلیم دیا کرو۔۔۔ تم پڑھایا کرو۔۔۔ اور ایک لاکھ  
 چوبیس ہزار طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل کر دیئے۔۔۔ اور محمدؐ ہو گئے اس کے  
 وائس چانسلر۔۔۔ اور بارہ چودہ ہو گئے پروفیسر اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پڑھنے  
 بیٹھ گئے۔۔۔ جو طالب علم پاس ہوتا رہا، ڈگری ملتی رہی عہدہ لے کے آتا رہا۔۔۔  
 کسی کو زمین پہ پانی بہانا سکھا دیا اور آگیا۔۔۔ کسی کو آگ کو گلزار بنانا سکھا دیا اور آ  
 گیا۔۔۔ کسی کو دائرہ پربت کرنے کا طریقہ سکھا کر کلیم بنا سکھا دیا اور آگیا۔۔۔ کسی کو  
 موت سے ٹھکر لے کے ہمیشہ جینا سکھا دیا اور آگیا۔۔۔ غرض اپنا اپنا پڑھ کے سارے  
 شاگرد آتے رہے۔۔۔ تو جہے نا صاحبان۔۔۔ جب ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو کے  
 آگئے اور سب اپنا اپنا کام کر گئے تو اللہ نے اساتذہ کو ام کی طرف دیکھا۔۔۔ جو چودہ  
 پڑھانے والے تھے اور جو ان کے راس و رئیس تھے۔۔۔ حضور محمدؐ مصطفیٰ۔۔۔ ان کی  
 طرف دیکھا۔۔۔ اور دیکھ کے یہ کہا ہوگا۔۔۔ ”ہوگا لفظ یاد رکھنا۔۔۔ یہ ہوگا  
 لفظ میں آپ کے ڈر کے مارے کہہ رہا ہوں۔۔۔ کہیں پوچھنے لگو کہ یہ کس کتاب  
 میں لکھا ہے۔۔۔ کتاب میں نہیں، یہ میرے دل کی کتاب میں لکھا ہے۔۔۔ یہ کہا ہوگا۔۔۔

— محمد سنتے بھی ہو۔ شاگرد تو اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے۔ اب  
 اگر مناسب سمجھیں تو آپ خود چلے جائیں ذرا۔ کیوں کیا خیال ہے؟ جاؤ گے؟ جانا  
 ہے؟ کیوں محمد جاؤ گے؟ جانا ہے؟ ہیں؟ کیا بات ہے؟ جاؤ گے؟ دیکھو محمد  
 سنو، اگر باقی بیویوں کی طرح تم بھی نبی ہوتے تو حکماً بھیجتا۔ جاؤ۔ محبوب جو ہوتے  
 — اس لئے پوچھتا ہوں۔ جانا ہے؟ جاؤ گے؟ کیا خیال ہے؟ جانا ہے؟  
 اچھا جا رہے ہو۔ — بسم اللہ تشریف لے جاؤ۔ بہت اچھا تہاری مرضی  
 ہم تو تہاری مرضی دیکھتے ہیں۔ چلے جاؤ۔ ہیں؟ مگر یہ کیا؟ تم تو اُداس ہو گئے  
 — محمد اُداس نہ ہو۔ اگر دماغ کبھی دل گھرا جایا کرے تو مل جایا کرنا۔ جاؤ؟  
 پوچھا جا کے اب کریں کیا۔ کہ اب جا کے۔ اب تک جو سو لاکھ پڑھے تھے وہ  
 پُرانی یونیورسٹی میں پڑھے تھے۔ تم نئے میں جا کے۔ ایک جنگل میں بالکل ریگستان  
 میں نیو کمپیس قائم کر دینا۔ بالکل نئی یونیورسٹی قائم کر دینا۔ اب کے ایک بالکل نئی  
 یونیورسٹی قائم ہو جائے نیو کمپیس بن جائے۔ دنیا بھی کیا یاد کرے گی کہ پڑھنے کا طرز بدل  
 گیا۔ انداز بدل گیا۔ بالکل نیو کمپیس قائم کر دو وہاں جا کے۔ سمجھے  
 — بہت اچھا۔ تم اس یونیورسٹی کے ہو گے اپنا راج اور آگے طلبہ تمہارے  
 آئیں گے۔ انہیں پڑھایا کرنا۔ بالکل نیو کمپیس قائم کر دینا وہاں جا کے۔  
 بہت اچھا۔ اب چلے وہاں سے۔ جا رہے ہو؟ کہ ہاں۔ اور یہ  
 نعل میں کیا ہے؟ کہ یہ میری کتاب ہے۔ اسے پڑھ پڑھ کے دنیا کو پڑھاؤنگا  
 یونیورسٹی میں۔ اچھا تم ایک کام کرو۔ کتاب یہیں چھوڑ جاؤ۔ تم خود  
 جاؤ۔ کہ اگر کتاب یہاں رہ گئی تو وہاں پڑھاؤنگا کیا۔ کہ واہ محمد۔  
 تو اتنی بات بھی تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ دیکھو جب بڑے آدمیوں کے بچے گھر سے  
 کالچ آتے ہیں تو ان کی نعل میں بستے نہیں ہوتے۔ ان کے نوکر پیچھے بستہ لے کر آتے

ہیں۔ آپ تشریف لے چلیں۔ آپ کی یہ کتاب آپ کا ذکر جبرائیل لے کر  
 حاضر ہوگا۔ آپ تشریف لے چلیں کتاب وہ لے کر آئے گا۔ جہاں آپ  
 اور دیکھو ایک بات سو۔ جہاں میں ہمیں بھیج رہا ہوں نا؛ وائس چانسر نا کے  
 دماں جا کے بالکل نہ پڑھنا۔ دماں پڑھو گے تو میری بی بی ناٹی بات بچ کر جانے  
 گی۔ کیوں بچو۔ تم مجھے ایک بات بناؤ۔ تم جو مجھے گھر سے لائے ہو کار میں  
 بٹھا کے بڑی عزت سے اور مجھ سے کہا۔ زیدی صاحب ایک تقریر کر دو۔  
 اب زیدی صاحب کھڑے ہوئے یہاں تقریر کرنے۔ جیب میں سے نکال کے  
 کتاب اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے کہا بسم اللہ۔ کتاب کھول کر  
 دیکھتے ہوئے۔ ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ)۔ زیدی صاحب شروع کر دو۔  
 (پھر ہاتھ سے ٹھہرنے اور انتظار کرنے کا اشارہ) اے قبلہ پڑھو نا کچھ (تیسری  
 مرتبہ پھل سی طرح نظریں کتاب پر اور ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ)۔ او ٹھہرو ذرا۔  
 پہلے میں تو پڑھ لوں۔ سارے لڑکے اٹھ کر چلے گئے۔ بھٹی کیوں چلے گئے  
 ۔ کہ اس پاگل مولوی کو کون مانے جو یہاں آ کے پڑھے۔ اب وقت بڑھا جلدی  
 جلدی گذر رہا ہے اور افطار کا وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ اس نے میں بات  
 مختصر کرنا ہوں۔ بہر نوع یہاں آ کے مکتب کھول لیا۔ دیکھو یوں کر دو۔  
 پہلے زیادہ طالب علم جمع ہی نہ کرنا۔ تھوڑی سی کلاس رکھنا۔ اپنے گھر والوں  
 کو پہلے جمع کرو۔ پہلے ان سے تعلیم شروع کرو۔ جب وہ سمجھ جائیں گے  
 پھر اور عوام سے بات کرنا۔ انڈر عشیروتا الاقربین ۰ پہلے بالکل  
 اپنے اقرب اٹھے کرو قربت دار۔ پھر اوروں سے بات کرنا۔ بہت اچھا  
 یوں نوکمپس میں پہلی کلاس چالیس طالب علموں کی کھلی۔ جو رسول کے اپنے گھر والے  
 تھے۔ وہ آ کے بیٹھ گئے جناب پڑھنے کے لئے۔ اس میں سن و سال کا خیال

نہیں — طالب علمی میں سن و سال نہیں دیکھا جاتا — پڑھنے کے شوق میں بچہ بھی  
 پڑھ سکتا ہے — بوڑھا بھی پڑھ سکتا ہے — یہ اور بات ہے کہ بچے کا  
 ذہن تیز ہوتا ہے — اب مجھے آنا اچھا یاد نہیں ہو سکتا جتنا نہیں یاد ہو سکتا ہے  
 — تو جناب اس میں رسول اکسارا خاندان اکٹھا ہو کے بیٹھ گیا — چالیس آدمی بیٹھ  
 گئے — بٹھی بھی کیوں بلایا ہے — کہ میں نے ایک نئی تعلیم گاہ قائم کی ہے۔  
 میں اس میں درس دینا چاہتا ہوں — اگر میرا علم تم نے پڑھ لیا اور سمجھ گئے  
 تو ساری دنیا کی حکومت تمہارے قدموں میں ہوگی اور عاقبت کی نجات تمہارے پاس  
 ہوگی — میں ایسی چیز تمہیں بتانے کے لئے آیا ہوں — کہ اچھا بناؤ — تو میرے  
 محترم سامعین — اللہ تمہیں سلامت رکھے — محمد مصطفیٰ جیسا معلم اعظم اور  
 اس کی پہلی کلاس — پہلی کلاس میں اتنے بڑے معلم کی تقریر — پہلی گفتگو —  
 تمام طلبہ گوش و گوش کھولے بیٹھے تھے سمجھنے کے لئے کہ دیکھیں کیا کہتا ہے — مگر معلم  
 اتنا عالمگیر معلم تھا کہ وہ صرف اس جماعت کا معلم نہیں تھا بلکہ عالمین کا معلم تھا — عالم کی  
 ہر شے کا معلم تھا — اُدھر اس نے تقریر کرنے کے لئے گلا صاف کیا — ...  
 ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں — اُدھر اس نے کہا ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں — اُدھر کائنات کی  
 ہر شے سرا یا گوش بن گئی سننے کے لئے — سمجھے نا حضور؟ درختوں کا ہر پتہ کان  
 ہو گیا سننے کے لئے — ہر ذرہ دوش ہوا پہ سوار ہو گیا سننے کے لئے — فلک  
 نے ستاروں کی ٹینک لگالی سننے کے لئے — چلتا ہوا سورج ٹھہر گیا سننے کے لئے  
 — چاند کے سینے پہ داغ پڑ گیا سننے کے لئے — سوا لاکھ انبیاء آسمانِ اول  
 پہ اتر آئے سننے کے لئے — اللہ نے کہا — ماشار اللہ — قدرت نے کہا  
 — سبحان اللہ — فطرت نے کہا — بِسْمِ اللّٰہِ — اور محمدؐ نے تقریر شروع کی  
 زلفِ الہام کو شانہ ہونے لگا — شہرِ جبرئیل کو جنبش ہونے لگی — اور تقریر میں

فرمایا کہ میں تمہارے لئے خیر دنیا اور آخرت لے کے آیا ہوں۔ بولو ایسا کون  
 شاکر دہے جو میرے علم کو اچھی طرح سمجھ کر اس معاملے میں میرا ساتھ دے اور میرے  
 بعد میری درسگاہ کا پر سپل بنے۔ بولو کون ہے؟ بس ادھر اعلان ہوا

— خیر دنیا اور آخرت کا پیغام لایا ہوں۔ چالیس کے چالیس سامعین  
 خاموش بیٹھے رہے۔ مگر دنیا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ عالم کی  
 چلتی ہوئی نبضیں رُک گئیں۔ جب رسولؐ کی آواز پر لیبک کہنے کے لئے، کونے  
 سے ایک دس سال کا بچہ اٹھا۔ سمجھے نا حضور؟ پوری بچپن کی ادا۔ پیروں پر  
 مٹی پڑی ہوئی۔ کُرتے کے منہ کھلے ہوئے۔ جیبوں میں خرے بھرے ہوئے  
 پوری بچپن کی ادا سے کونے سے ایک بچہ اٹھا۔ قبہ ذرا اب کے فرماؤ کیا کہا  
 ہے؟۔ یہ اب کے فرماؤ اس نے کہا تھا کہ کام تو پختے ہی کر میں گے آپ کا۔ قربانی  
 دیں گے۔ مرٹھیں گے۔ مگر پہلے ہمیں سمجھادیں کہ چاہتے کیا ہیں؟ بے سمجھے بوجھ  
 ساتھ ہولنا عقلمندوں کا کام نہیں۔ پہلے ہم سمجھ لیں کہ کیا کہہ سکیں۔ ہمارا  
 سمجھ میں بھی تو آجاتے آپ چاہتے کیا ہیں۔ ماں حضور ذرا اب کے فرمائیں آپ چاہتے  
 کیا ہیں؟ کہ بیٹا، بچتے، برخوردار۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کون ہے جو اس معاملے میں  
 میرا ساتھ دے گا۔ بس یہ کہنا تھا کہ کون ساتھ دے گا۔ بچے نے ایڑیاں اٹھا  
 کے کہا۔ انا ناصر حرکت یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسولؐ میں تیرا ناصر  
 ہوں۔ میں تیری مدد کروں گا۔ بیٹا۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں۔ ”قبہ میں جان  
 پکھیل کے کہہ رہا ہوں۔“ بیٹا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ کہ ”والیجاہ۔ میں  
 مشکلکشا جو ہوا۔“ مشکل کام سمجھ کے کہہ رہا ہوں کہ میں تیرا ساتھ دوں گا۔  
 ”یا محمدؐ نہیں۔ اگر یا محمدؐ کہہ کے وعدہ کرتا تو زندگی بھر وعدہ تھا۔  
 یا رسول اللہؐ میں تیری نصرت کروں گا۔“ گویا جب تک تیری رسالت ہے، میری



نصرت ہے۔ جہاں جہاں تیری رسالت ہے، وہاں وہاں میری نصرت ہوگی  
 میں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرونگا۔ گویا آج سے دُنیا متعارف ہوئی "علی"  
 سے۔ وہ چالیس آدمیوں کا مجمع جو رسولؐ کی تقریر سن رہا تھا اس بچے کی طرف دیکھنے لگا  
 رسولؐ نے مسکرا کے کہا "میں بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ مجھ سے نظر ہٹے تو اس پہ آ کے  
 رُکے"۔ دیکھو یہ بچہ کیا کہتا ہے۔ آج طلبہ بچے۔ طالب علم بچے۔ اس  
 بچے کی تقلید میں جس نے معلمِ اعظم کے فرمان پہ وعدہ کیا تھا۔ میں تیرا ساتھ دوں گا۔  
 آج اس کا ذکر کرنے کے لئے نئے کیمپس میں بچے اکٹھے ہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ  
 اس دس سالہ بچے نے جو وعدہ کیا تھا کہ تیری تعلیم پر میں عمل کرونگا۔ آیا اس نے کس کس  
 طرح عمل کیا؟ کہیں عمل میں نیل تو نہیں ہوا۔ کہیں عمل میں بچکچا یا تو نہیں۔ کہیں عمل  
 میں گھبرا یا تو نہیں۔ کہیں عمل میں پریشان تو نہیں ہوا۔ افسوس کہ وقت نہیں اتنا  
 کساری چیزیں بیان کی جائیں۔ اور وقت ہو بھی اتنا تو وقت ختم ہو جائے امام وقت  
 کا ذکر ختم نہیں ہوگا۔ یہ وقت اس قابل ہی نہیں کہ اس کو سو کے اپنے اندر۔ سمجھے۔  
 ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی وجد میں آکر اس کا ذکر سننے کے لئے گیا ہوا سورج بلٹ کے  
 آجائے۔ یہ بات اور ہے۔ ورنہ یہ وقت ختم ہو جائے گا، ذکر ختم نہیں ہوگا۔  
 وعدہ کر لیا اس نے کہ میں آپ کی تعلیم پر عمل کروں گا۔ اور قیامت تک مسلمان پورے کو سب  
 دے گیا کہ مسلمان بچو!۔ اپنے معلم کی بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ اپنے بزرگ کی  
 بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ جو وہ تم سے کام لینا چاہتا ہے اسے اچھی طرح سے سمجھ  
 لو۔ اس کے ہر پہلو پہ غور کرو۔ اس کو اچھے طریقے سے اپنے ذہن میں بٹھا  
 لو۔ اور جب تمہاری سمجھ میں آجائے تو آنکھیں بند کر کے نہیں۔ سوتھ کے  
 سمجھ کے غور کر کے۔ پھر اس سے وعدہ کرو تو عمل میں رکلاٹ نہ ہونے پائے  
 عمل میں بچکچا ہٹ نہ ہونے پائے۔ عمل میں پھر رکنا نہیں۔ پھر عمل اس

طرح کرو آنکھیں بند کر کے کہ دنیا حیران رہ جائے۔۔۔۔۔ کہ اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔  
 لو بیٹو ایک بات اور پھر بات ختم۔۔۔۔۔ وقت گزر جائے گا اور میں بیٹھ جاؤں گا۔۔۔۔۔  
 وعدہ کیا نا عمل کا؟ تو اس طرح آنکھیں بند کر کے عمل کیا۔۔۔۔۔ جب سمجھ گیا تھا تعلیم  
 کیا ہے۔۔۔۔۔ جب سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔۔۔۔۔ جب سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے  
 منوانا کیا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ یہ سوچ سمجھ کر وعدہ کیا تھا تو عمل اس طرح کیا جائیو۔۔۔۔۔  
 بچو سن رہے ہو بات کو؟ سن رہے ہو؟ کئی بات ہے؟ شباباش۔۔۔۔۔ سن رہے  
 ہیں بڑے غور سے بچے۔۔۔۔۔ یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ ایک سفید دائرہ والے کی  
 بات کو فوجوان سن رہے ہیں۔۔۔۔۔ نہیں تو دو تین مرتبہ میرے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے،  
 جب میں تم جیسے لڑکوں میں چلا گیا تقریر کرنے۔۔۔۔۔ تو ان بچوں نے کہا "بابا بہ وی جا۔۔۔۔۔  
 کیسے بندے نوں گل کرن دے"۔۔۔۔۔ یہ تو اتفاق ایسا ہے کہ تم میری بات سن رہے ہو۔۔۔۔۔  
 آج تم نے مجھے بندہ سمجھ لیا ہے۔۔۔۔۔ سوچ سمجھ کے جب وعدہ کیا کہ میں تیری نصرت کروں گا۔۔۔۔۔  
 اس کے سر مع لہو اور ما علیہ پر نظر ڈال کے وعدہ کیا کہ میں تیری نصرت کروں گا۔۔۔۔۔  
 یونہی اندھی تقلید نہیں۔۔۔۔۔ آنکھیں بند کر کے نہیں۔۔۔۔۔ یونہی ساتھ دوڑ پڑنے والی بات  
 نہیں۔۔۔۔۔ سوچ سمجھ کے وعدہ کیا تھا میں تیری نصرت کروں گا۔۔۔۔۔ اس سمجھ کے  
 وعدے کا اثر یہ تھا کہ اس وعدے کے تیرہ سال بعد جبکہ رسولؐ کا سن ہے تیرہ<sup>۲۳</sup> سال  
 کا۔۔۔۔۔ کیا سن ہے رسولؐ کا بھئی؟ تیرہ<sup>۲۳</sup> سال کا۔۔۔۔۔ کیوں بھئی تیرہ<sup>۲۳</sup> سال کا سن  
 پختہ عمر ہے یا نہیں؟ ہیں؟ تجربے کی عمر ہے یا نہیں؟ دنیا کا سب کچھ، جہان دیدگی پوری  
 ہے یا نہیں؟ تیرہ<sup>۲۳</sup> سال کا رسولؐ شام کے وقت، اپنے گھر کے اندر کھڑے ہو کر یہ کہہ  
 رہا ہے ایک اسی سال کے نوخیز فوجوان سے۔۔۔۔۔ جتنے اس محفل میں اٹھارہ اسی سال  
 کے فوجوان ہیں وہ میری بات غور سے سنیں۔۔۔۔۔ ایک اٹھارہ اسی سال کے فوجوان  
 سے، تیرہ<sup>۲۳</sup> سال کا رسولؐ کہہ رہا ہے یہ، کھڑا ہو کے۔۔۔۔۔ بیٹا، برزخورد آج میرے

گھر میں خطرہ ہے۔ بڑا سخت خطرہ ہے۔ تو بناؤ بچو جب گھر کا بزرگ خطرہ  
بتائے تو بچے کے دل پر کیا گذرے گی۔ ہیں؟ وہ بھی ڈرا ہو گا یا نہیں؟  
وہ بھی گھبرایا ہو گا یا نہیں۔ خطرہ ہے قہر۔ اور جب اتنا تجربہ کار بزرگ  
کہہ رہا ہے خطرہ ہے تو بچے بھی گھبرایا ہو گا۔ اس اُنیس سال بچے نے گھبرا کر پوچھا  
— قہر خطرہ ہے؟ — کہ اُن بیٹا خطرہ ہے۔ واقعی خطرہ ہے؟ — کہ بہت  
ہی خطرہ ہے۔ خطرہ ہے؟؟ — کہ یقیناً خطرہ ہے۔ پھر قہر کیا پروگرام  
ہو گا۔ میں گھر چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ کیوں؟ — خطرہ ہے۔ اچھا  
قہر، میں کیا کروں؟ کہ تم یہیں رہو۔ کیوں؟ — خطرہ ہے۔ سمجھے آپ  
اب بتاؤ بچو۔ اگر وہ لڑکا یہ کہدے کہ میں تو نہیں رہتا۔ تو کسی اخلاقی ضابطے  
میں اس کا یہ انکار کرنا بڑی بات ہے؟ وہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ جب خطرہ ہے  
تو میں بھی نہیں رہتا۔ مگر دنیا حیران ہو گئی یہ سن کے جب اس بچے نے کہا کہ  
خطرہ ہے؟ کہ اُن بہت خطرہ ہے۔ پھر — کہ میں جا رہا ہوں۔  
اور میں — کہ تم یہیں رہو۔ کہ اچھا میں یہیں ہوں۔ آپ جائیں۔  
خطرہ۔ خطرہ ہے۔ تو ہوا کرے۔ میں یہیں ہوں۔ حیرت میں آگئی ساری  
دنیا کہ یہ بچہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو اسے اس وقت یہ بتایا گیا کہ اس نے سوچ سمجھ کر وعدہ  
کیا تھا۔ نصرت کا۔ اس لئے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ میں یہیں رہوں گا۔  
رسول جانے لگے تو اس بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا گھر میں خطرہ ہے۔ خطرہ بڑا  
ہے۔ بہت ہی خطرہ ہے۔ لہذا چوکس نہ رہنا۔ کیوں؟ خطرہ ہے  
— ہوشیار نہ رہنا۔ کیوں؟ — خطرہ ہے۔ خبردار نہ رہنا۔ کیوں؟  
خطرہ ہے۔ بے خبر سو جانا۔ کیوں؟ خطرہ ہے۔ ہے نا عجیب بات  
— بالکل بے خبر سو جانا۔ اس لئے کہ خطرہ ہے۔ سمجھے حضور۔

اس نے کہا لیجئے تبہ میں سو گیا۔ اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔ کہ ٹھہرو تمہارے  
بستر پہ خطرہ نہیں۔ میرے بستر پہ لیٹو کہ خطرہ یہاں ہے۔ اب  
خطرے کا مرکز سمٹ کے بستر رہ گیا تھا۔ یہاں لیٹو۔ وہاں لیٹ گیا۔  
یہاں سو جاؤں؛ کہ نہیں ایسے نہیں۔ اگر میرے بستر پہ تم، تم ہو کے سوئے  
تو خطرہ نہیں۔ میرے بستر پہ تم، تم بن کے سوئے۔ میں؛ لیٹو۔ لٹایا  
اپنی چادر اوڑھادی۔ اپنا عمامہ سرمانے رکھ دیا۔ اپنے نعلین قریب  
قریب رکھ دیئے۔ اپنی تلوار پاس رکھ دی۔ تاکہ دیکھنے والے، سونے والے  
کو جانے والا سمجھیں۔ ہیں۔ سو جاؤ۔ سو گئے؛ سو گئے۔ صبح تک  
کروٹ نہیں لی بستر کی سلوٹ گواہ ہے۔ اسی طرح آرام سے سوتا رہا۔ ساری  
رات سوتا رہا۔ یہ ہے سونچ سمجھ کر کسی اسکیم کو۔ پھر اس پر نصرت کا  
وعدہ کرنے کا نتیجہ۔ بے سوچے سمجھے، بغیر سوچے ہوئے وعدہ کر لینے سے  
یہ استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لو کہ ہم نے کیا کام کرنا ہے  
پھر وعدہ کر دو تو اتنا پکا وعدہ کر دو۔ سو گیا آرام کے ساتھ۔ سو گیا یا نہیں؟  
اور اللہ نے کیا کیا۔ رات کو سوتا دیکھ کر اللہ نے۔ لوجی یہ آخری فقرے  
سوتا دیکھ کر اللہ نے۔ کیوں بچو اللہ بھی کبھی سوتا ہے۔ ہیں؛ نہیں  
سوتا !!! اے لو۔ اللہ تو کبھی سوتا ہی نہیں۔ کبھی نہ سونے والے نے آج  
کا سونا جو دیکھا۔ تو اس نے کہا محمدؐ یہ بڑا کھرا سوتا ہے۔ بڑا بہترین سوتا  
ہے۔ میں نے اسے پرکھ کے دیکھا ہے۔ بہت ہی بہترین سوتا ہے۔ اس  
میں کوئی غیبی دغش نہیں۔ یہ سونا میں خرید نہ لوں؛ یہ سونا میں خرید لوں۔  
محمدؐ تم درمیانی بن کے یہ سونا مجھے خریدو داد۔ محمدؐ تم کہیں اور۔  
سونے والا تھا کہیں اور۔ وہیں سے آواز دی۔ سونے والے۔

کہ جناب عالی! — وہیں سوتے میں کہا — سونے والے — ہاں کیا ہے؛  
 — سونا بیچتے ہو؟ — ”جی ہاں“ — ”کیا لوگ؟“ — ”قبلہ کیا دو گے؟“  
 خریدتا کون ہے؛ کہ کبھی نہ سونے والا اللہ خریدار ہے۔ اچھا! — اللہ خریدار  
 ہے؟ — ”پھر بیچتے ہو؟“ کہ بیچتا ہوں — کیا قیمت لوگے؛ کہ قبلہ بات سنو۔  
 جب اللہ جیسا خریدار ہو تو قیمت پہ جھگڑا کرنا خلاف تہذیب ہے — اللہ سے کہو  
 کہ سونا میرا حاضر ہے، قیمت میں جو اس کی مرضی ہے وہ دیدے — جو مرضی  
 ہے دیدے — بس مرضی قیمت ہے — سونا حاضر ہے — اللہ نے کہا  
 — ”منظور“ — سودا ہو گیا — کہ قبلہ یہ مرضی ملے گی کب؛ کہ قیمت میں  
 — قیمت کا ادھار؟ — بیجانہ مل جائے تاکہ سودا پکا ہو جائے — اللہ نے  
 بیجانے میں جنت دے دی — جنت تیری قیمت نہیں — یہ بیجانہ ہے —  
 جنت پہ قبضہ کر لیا — سمجھے نا حضور — ہوئی جو شادی تو وہی جنت — جو اس  
 دن بیجانے میں ملی تھی — منہ دکھائی میں بیوی کو دے دی — خریدی تھی شوہر نے  
 — خاتون جنت کہلاتی ہے بیوی — بیوی نے بچوں کے نام کر دی — رسول  
 نے رجب طری کر دی — انتقال کی — الحسن والحسین سید  
 شباب اہل الجنة — باپ نے خریدی — ماں ملکہ نبی — حسین  
 مالک بنے — بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اللہ نے جنت کے صدر دروازے  
 پر یہ نام لکھ کر لگا دیئے — محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین  
 انشاء اللہ — یو کہیں کے نوجوانو! — تم چلنا جنت میں — چلو گے یا  
 نہیں؟ ہیں؟ جاؤ گے نا؟ — (آوازیں انشاء اللہ) — انشاء اللہ کی کیا بات  
 ہے — جائیں گے — وہاں ضرور جانا ہے — وہاں جاؤ گے — مجھے بھی  
 آواز دے لینا — سواد آ جائے گا — جب دروازے پہ یہ نام لکھے دیکھیں

گئے؟ اگر کسی فرشتے نے روکا بھی تو کہہ دینا "فرشتے ہٹ جا ہمارا وقت ضائع  
 نہ کر۔" یہ نام نہیں دیکھتا۔ اندر تو محفل ہو رہی ہوگی۔ زیدی تقریر  
 کی رہا ہوگا۔ چلو چلیں اندر۔ انشاء اللہ یہ نام دیکھ کے ہم فوراً پہنچ  
 جائیں گے۔

تمہاری محفلوں کو اللہ قبول کرے۔ تمہارے اندر تقویت دین عطا فرمائے  
 ۔ دینی محفلیں منعقد کرنے کا تم میں شوق اور شعور پیدا کرے۔ جب کوئی  
 دینی محفل منعقد کیا کرو اگر میری صحت ٹھیک ہو تو مجھے ضرور بلایا کرو۔ آج تو  
 بیماری کے عالم میں، میں نے چند منٹ آپ سے باتیں کر لی ہیں۔ مجھے بلایا کرو  
 ضرور۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ خوب  
 سونچ کے سمجھ کے۔ غور کر کے۔ ذہن میں بٹھاکے۔ ہر پہلو اور نشیب  
 و فراز کو دیکھ کر جو عزم کرو پھر اس پر بنیاد موصول کی طرح جم جاؤ سمجھے؟  
 بے سوچے سمجھے قدم اٹھانا۔ جلدی جوانوں کی شان نہیں ہے۔  
 اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ خدا حافظ  
 فی امان اللہ۔

(۳۳ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ - ایس۔ ٹی۔ سی نیوکیمپس، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے

طلباء سے خطاب)

# آدابِ طیب

عنوان

آل ابی طالب  
شہزادہ علی اکبر

فضائل  
مصائب

پیر آخری سلام کو ابراہیمؑ جھکے ہوئے  
نقشہ کھینچا ہوا ہے رکوع رسول اکرمؐ کا

نکستی و رکوع

خداوند عالم کی حمد و ثنا اور حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام پر دو رو و سلام کے بعد میں اس طرح گزارش کرتا ہوں کہ اللہ اپنے علم و فضل کے مطابق اپنا اجر کام لینا چاہتا ہے، کسی انسان سے۔ اس کام کے مطابق آدمی وہ خود چن لیتا ہے اس سے میں نے یہ کام لینا ہے۔ اس سے یہ کام لینا ہے۔ انسان، خدا خود انسانوں میں سے چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے۔ سمجھ رہے ہیں نا صاحبان۔ اللہ کے یہاں الیکشن نہیں، اللہ کے ہاں سلیکشن ہے۔ اب میں انگریزی لفظوں کے معنی تو جانتا نہیں سنے ہوتے ہیں نہ کہہ دیتے ہیں۔ ہم لوگ کرتے ہیں الیکشن اور اللہ کرتا ہے سلیکشن۔ ہم بہت سے ل کے چنتے ہیں ایک کو اور اللہ چنتا ہے بہت سوں میں سے ایک کو۔ سلیکشن کا ترجمہ چننا اور الیکشن کا ترجمہ ہے چھانٹنا۔ جو بندہ سلیکشن سے آئے وہ چنا ہوا ہوتا ہے۔ جو الیکشن سے آئے وہ چھٹا ہوا ہوتا ہے۔ بہر نوع اللہ چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے اس آدمی کو جسے موزوں سمجھتا ہے وجہ ہے نا صاحبان۔ اور اس بڑی مختصر سی تمہید کے بعد میں اپنی مجلس شروع کرتا ہوں تاکہ تھوڑے وقت میں ختم ہو۔

میرے محترم سامعین! اللہ نے اپنا کام لینے کے لئے جس خاندان کو چن لیا وہ خاندان بنی ہاشم کہلاتا ہے اس خاندان کو اللہ نے چن لیا تھا۔ اس لئے کہ اس خاندان سے وہ اپنا کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ خاندان اللہ نے چن لیا۔ اور اس بنی ہاشم کے خاندان میں سے بھی ہر فرد سے کام نہیں لیا بلکہ اس خاندان کا جو فرد جس کام کے لئے موزوں ہوا وہ کام اللہ اس فرد سے لینا رہا۔ عبدالمطلب سے کعبے کی حفاظت کا کام لیا جب ابراہیم آیا تھا باقی لے کر۔ اور عبدالمطلب کے بعد ان کے جانشین حضرت ابوطالب سے جن کا نام نامی ہے عمران کینیت سے ابوطالب۔



جن کے خطابات ہیں بیضۃ البلاء، شیخ البطلی، سید القوم۔ یہ ان کے خطابات ہیں۔ سب سے پہلے عرب میں لفظ سید، جناب ابوطالب کے لئے استعمال ہوا اور آج تک ان کی نسل کے ساتھ یہ لفظ مشہور ہو گیا۔ جناب ابوطالب سے بھی کام لیا۔ اللہ نے۔ اور یہ کام ابی طالب کے سپرد ہوا کہ میرے رسولؐ کو جو میری اس تمام مخلوق میں میں سے سب سے زیادہ معزز اور قیمتی ہے، نے ابوطالب اس کو ہم تیرے سپرد کرتے ہیں۔ تم اسے پالو اور پرورش کرو۔ توجہ فرمائی نا صاحبان۔ اللہ نے اپنی سب سے قیمتی شے سپرد کر دی ابوطالب۔ یہ فقرہ آپ نے سن لیا۔ اسکی ذرا سی تشریح کر دوں آپ سے۔ میرے ہاتھ میں یہ ملل کارومال ہے۔ پتہ نہیں آٹھ آنے کا ہے، چھ آنے کا ہے۔ ایسا ہی کچھ ہو گا چھ چار آنے کا۔ میں چاہتا ہوں یہ رومال کسی کے سپرد کر دوں۔ آپ اتنا مجھ سے میرے سامنے۔ سب مآثر اللہ مومن ہیں۔ میں نے یونہی ہاتھ بڑھا کے ایک آدمی کو دے دیا رومال۔ آپ مجلس کے بعد پوچھتا پھرتا ہوں۔ جیسی میرا رومال کس کے پاس تھا، کہاں ہے؟ کون لے گیا وہ رومال میرا؟ لوگ کہیں گے زیدی صاحب، تم نے خود غلطی کی۔ کسی جانے پہچانے کو دینا تھا۔ کسی ایماندار کے سپرد کرنا تھا۔ کسی شریف آدمی کے سپرد کرنا تھا۔ جب ایک کپڑے کا رومال سپرد کرتے ہوئے جان پہچان دیکھنی پڑتی ہے۔ شرافت دیکھنا پڑتی ہے، ایماندار دیکھنا پڑتی ہے تو اللہ نے محمدؐ جیسی قیمتی شے سپرد کرتے وقت یہ نہیں دیکھا ہو گا کہ یہ بندہ شریف ہے یا نہیں؟ ایماندار ہے یا نہیں؟ اور اللہ جسے اتنا ایماندار سمجھے کہ محمدؐ جیسی شے سپرد کرے، ایسے ایماندار کو بے ایمان کہنا، بے ایمانی ہے کہ نہیں بہ نفع یہ تو کام اللہ نے ابی طالب کو دیا اور ابی طالب نے اپنی گود میں نبوت کو بھی پالا، امامت کو بھی پالا۔ گویا زید دامن ابی طالب مل کر نبوت آخری نبوت بن گئی اور امامت پہلی امامت بن گئی۔ ابی طالب کی پرورش کے بعد۔ تو یہ کام اللہ نے ابی طالب سے لے رہا تھا۔

اور آج تک خدا کا کام نسلِ ابی طالب کے سپرد ہے اور اللہ کی بکری تینے کے لئے آج بھی ابی طالب کا کنبہ دنیا میں زندہ ہے اور قائم۔ یہ کام اللہ نے ابی طالب کے سپرد کیا۔ میری بات پر توجہ ہے ناصحان۔ بڑی مختصر مختصر بات۔ ادھر ابی طالب تھے قابل کہ آتے ہی سامنے شیطان آگیا۔ ابراہیم کے آتے ہی سامنے فرود آگیا۔

موسیٰ کے سامنے فرعون آگیا۔ اس خاندان بنی ہاشم کے مقابلے پر خاندان نبوی۔؟  
دہی آگیا جو آپ کہہ رہے ہیں۔ یہ خاندان آگیا۔ اس خاندان بن

بھی بہت بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے۔ بڑے بزرگ آدمی پیدا ہوئے، ایک صاحب فرماتے تھے کہ جتنے بڑے آدمی پیدا ہوئے سب اس خاندان میں ہوئے۔ دہی خاندان جس کا نام آپ سے رہے ہیں بنی ہاشم میں کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوا۔ میں نے کہا بالکل۔ بنی ہاشم میں تو جو پیدا ہوا بچہ پیدا ہوا۔ امیہ کے خاندان میں جو پیدا ہوا بڑا پیدا ہوا۔ یہ خاندان بنی ہاشم کے مقابلے کا خاندان ہو گیا۔ وہ دن تھے تو یہ رات تھے۔ اس خاندان میں بھی بڑھے آدمی تھے۔ اس خاندان میں بھی بڑے بڑے آدمی تھے۔ اس خاندان کے بڑے آدمیوں میں سے ایک بڑے آدمی کا نام لیتا ہوں وہ تھے حضرت ابی سفیان۔ نام سُننا ہے نا آپ نے۔ حضرت میں نے

اس لئے کہا کہ بڑے حضرت تھے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے فضائل بھی بیان کر دوں۔ حضرت ابوسفیان کے۔ سنیں گے آپ؟ فضائل پڑھوں؟ ناصحان اس ایک جملے پر فضائل حتم کرتا ہوں یہ یزید کے سہی دادا تھے۔ یہ ان کے فضائل ہیں۔ یزید کے دادا جان۔ حضرت ابوسفیان۔ یہ اس خاندان میں پیدا ہوئے۔ جتنی جنگیں رسالتِ ماب سے ہوئیں ان سب جنگوں میں کفر کی فوج کے سپہ سالار بھی حضرت ابوسفیان ہوا کرتے تھے۔ توجہ ہے ناصحان۔ مکہ کی فتح کے بعد اسلام کا اعلان کر دیا اور یہ بدلنے لگے۔ میرے محترم سامعین بڑے عورے سننا شروع کرنا اب میں

مطلب کی بات سننا ہوں آپ کو تاکہ اپنے وقت میں مجلس بھی ختم ہو جائے اور بات بھی ختم ہو جائے۔ اس حضرت سفیان کے تین چار بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک شہرہ آفاق بیٹا۔ وہ ہے امیر شام۔ یزید کے والد بزرگوار۔ یہ ان کا شہرہ آفاق بیٹا ہے۔ ابوسفیان کا۔ سمجھے حضور۔ نام یاد نہیں، مہر کا کوئی۔ نامور بیٹے تھے۔ اور جناب کئی بیٹیاں بھی تھیں ان کی۔ اس وقت اس مجلس میں مجھے آپ کی مسرتائش پوری کرنے کے لئے، مجلس سنانے کے لئے ان کی دو بیٹیوں کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت ابوسفیان کی دو بیٹیوں کا تذکرہ آپ کو سنانا ہے۔ یہ آپ نہیں۔ اور غور سے سنیں۔ ان کے دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام تھا اُمّ حبیبہ، ایک کا نام تھا جادیدہ۔ یاد کریگا آپ کو۔ ایک اُمّ حبیبہ، ایک جادیدہ۔ یہ جو حضرت ابوسفیان کی بیٹی تھی نام اُمّ حبیبہ، ان کی شادی ہوئی تھی حضور سرور کائنات سے۔ ابوسفیان کی بیٹی اور ہم مومنوں کی ماں، جناب اُمّ حبیبہ۔ اُمّ حبیبہ ہماری ماں تھیں۔ ان کے باپ سے ہمارا کیا رشتہ ہوا؟ سنو گے؟ کس نے مجھ سے پوچھا، اُمّ حبیبہ تو ہماری ماں ہیں، ان کے باپ سے کیا رشتہ ہے۔ میں نے کہا۔ نا۔۔۔ نا۔ بہر نوسے یہ اُمّ حبیبہ حرم رسول ہیں اُمّ المؤمنین ہیں۔ واجب الاحترام ہیں۔ رسول کی بیوی ہونے کی حیثیت سے اور ہم مومنوں کی ماں ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے ماں ہونے کی حیثیت سے۔ سمجھے نا آپ؟ ان کے فضائل کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، بحیثیت اُمّ المؤمنین مگر سب سے بڑی فضیلت ان کی جو مسلمانوں نے کتابوں میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ جناب اُمّ حبیبہ ایک دن رسول کے گھر بیٹھی تھیں، ان کے باپ ابوسفیان ان سے ملنے آئے۔ وہ مسلمان تھے نا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ شادی ہوئی تھی۔ جب انہوں نے حجرے میں قدم رکھا۔ آگے کہا بیٹی خیریت تو ہے؟ جب باپ آتا ہے ملنے۔ تو بیٹی نے دری جو چکر رہی تھی وہ سمیٹ لی۔ زمین پر اشارہ کیا ابا بیٹھو، تشریف رکھو۔ کہا دیکھو اُمّ حبیبہ تم نے ہماری بڑی

توہین کی ہے۔ جانتی ہو ہم کون ہیں؟ ہم عرب کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ ہم لاکھوں فرسوں  
 لیکر آئے تھے مقابلے کے لئے۔ دنیا ہمارا کلمہ ٹپھتی ہے۔ ہمیں دیکھ کر شیطان تک جھکتا  
 ہے۔ تم نے ہمیں کیا سمجھا ہے۔ یہ درمی کیوں سمیٹ دی۔ ہمیں بیٹھے نہیں دیا۔ امّ حبیبہ  
 نے بڑے ادب سے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یہ درمی وہ ہے جس پر رسول بیٹھے ہیں۔  
 اس پر آپ اس طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ واقعہ لکھو کہ مسلمان مورخ یہ لکھتے ہیں کہ یہ ہے  
 اس کے کامل الایمان ہونے کی دلیل۔ یہ ہے اُس کے امّ المؤمنین ہونے کی دلیل۔ میں بھی سچ پتہ  
 یہی کہتا ہوں کہ داہ امّ حبیبہ، امّ المؤمنین ہو تو ایسی ہو کہ رسولؐ کی جگہ پر باپ کو نہ بیٹھے  
 دے۔ یہ ہے شان امّ المؤمنین۔ سمجھ رہے ہو ناھا جان۔ اور میرے مقررہ سامعین  
 اللہ آپ کو سلامت رکھے اور خوش رکھے۔ میں ایک بات آپ سے سچ میں ضمانت کہتا ہوں۔  
 چونکہ جلدی ختم بھی کرنا ہے اور بات بھی کرنی ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ کس کتاب میں ہے  
 کہیں نہیں۔ یہ حوالہ کہاں ہے؟ کہیں نہیں۔ یہ میں اپنے دل کی بات کہہ رہا ہوں پہلے ہی  
 بتائے دیتا ہوں۔ اگر اس پر کوئی اعتراض ہے تو وہ مجھ پر ہے۔ یہ میرے مذہب کی کسی کتاب  
 کی بات نہیں ہے کہ قیامت کے دن ایران کا شہنشاہ نوشیرواں، جس کے لئے کتابوں میں یہ بھی  
 لکھا ہوا ہے کہ جہنم میں جائے گا بوجہ کافر ہونے کے۔ اللہ سے ایک پنکھا عطا فرمائے گا۔ جو  
 آگ کو اس سے دُور رکھے گا۔ یہ اُسے عدالت کا صلہ ملے گا۔ یہ تو کتابوں کی بات ہے، اور  
 میں اپنی بات کہتا ہوں۔ یہ پنکھا ملے گا اسے کیسے؟ جب فرشتے لے جا رہے ہونگے اسے  
 جہنم میں، یہ میری ذاتی بات ہے اور یہ جاتے جاتے کہہ دیگا۔ جہنم میں تو میں چلا جاؤنگا،  
 پر جانے سے پہلے میں ذرا اپنے نواسے سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کے نواسے تھے زین العابدینؑ  
 زین العابدینؑ سے اس کا آتما سامتا ہو جائے گا اور یہ زین العابدینؑ سے کہے گا۔ تم میرے  
 نواسے ہو۔ فرشتے خود شرمنا جائیں گے۔ اسکو جہنم میں لے جاتے ہوئے۔ اللہ جس کو سچا مانا  
 یا بہتا ہے اس کے گھر نواسہ پیدا کر دیتا ہے اور جس کے گھر نواسہ نہ ہو اس کا کوئی بچا نہیں۔

کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ یہ جناب ام حبیبہ کی بات آپ کے ذہن میں آگئی۔ اب اسے میں پلٹ کے  
دوسری بہن کا قصہ سناؤں۔ جس طرح عرب بنی ہاشم شرافت میں مشہور تھے۔ اور ان کا مقابل  
خاندان سیاست میں مشہور تھا۔ یہ لفظ میں نے احتیاطاً کہا ہے، سیاست میں۔ اسی طرح عرب  
میں ایک خاندان تھا۔ جس میں مشہور تھا۔ اس کا نام تھا خاندان بنی ثقیف۔ یاد رہے گا  
آپ کو خاندان بنی ثقیف حسن میں مشہور تھے۔ اور خاندان بنی کلاب یہ شجاعت میں مشہور تھا۔  
یہ عرب کے مشہور خاندان تھے۔ اگر بہادر کا نام تو تو بنی کلاب سمجھے جاتے تھے۔ اگر حسین کہو تو  
بنی ثقیف سمجھے جاتے تھے۔ اگر شریف کہو تو بنی ہاشم کہے جاتے تھے۔ اگر مکار کہو تو۔۔۔۔۔  
پھر وہ۔۔۔۔۔ یہ تھے مشہور عرب کے خاندان۔ تو بنی ثقیف کے خاندان کا ریس اور جو  
شیخ تھا اس کا ابو صرہ نام تھا۔ ابو صرہ ثقیفی۔ حضرت ابوسفیان کی دوسری بیٹی،  
ام حبیبہ کی سگی بہن۔ ابو صرہ ثقیفی سے بیاہی ہوئی تھی تو ابو صرہ ثقیفی، خاندان ثقیف  
کا سردار اور رسالتا آپس میں کیا ہوئے جھٹی۔ بولو۔ بولو وہ آپس میں ہم زلفت  
ہوئے۔ ایک بہن ابو صرہ ثقیفی کے گھر میں تھیں اور ایک بہن جناب رسالتا کے گھر  
میں۔ آپ گھرا تو نہیں گئے میری اس بات سے۔ سن رہے ہونا غور سے۔ رسالتا آپ  
کے گھر تو کوئی اولاد نہیں ہوئی جناب ام حبیبہ سے۔ ابو صرہ ثقیفی کے گھر جو ابوسفیان کی  
صاحزادہ تھی ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ سمجھے نا۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی ابو صرہ ثقیفی  
کے گھر۔ ابوسفیان کی بیٹی، امیر شام کی بہن، ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام تھا لیلیٰ۔  
اب یاد رکھیں گے نا۔ لیلیٰ ابو صرہ ثقیفی کی بیٹی، ابوسفیان کی نواسی، امیر شام کی بھانجی  
تھیں۔ یہ یزید کی کیا ہوئیں؟ بولو نا؟ بولو بھئی۔ امیر شام کی بھانجی تھیں یہ یزید کی  
بھوپھی زاد بہن تھیں۔ حقیقی بھوپھی زاد بہن، جناب لیلیٰ۔ یہ وہی جناب لیلیٰ۔  
اب یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی نا۔ ابو صرہ ثقیفی کی جو لڑکی تھی ان کا ابوسفیان سے  
کیا رشتہ تھا جھٹی؟ نواسی کا۔ امیر شام کی کیا تھیں وہ؟ بھانجی۔ یزید کی کیا تھیں؟

کچھ بھی زاد بہن۔ کس خاندان سے تھیں۔ بنو ثقیف سے۔ بنو ثقیف کی صفت کس بات  
 کی تھی۔؟ حسن و جمال کی۔ تو یعلیٰ اپنے زمانے میں رئیس بنی ثقیف کی بیٹی ہونے کی حیثیت  
 سے ان تمام خوبوں کی مالک تھیں جو اس خاندان کی تھیں۔ سمجھ میں آ رہے نامہ جان کے۔  
 جب یہ جوان ہوئیں یعلیٰ تو ان کے باپ کو شادی کی فکر ہوئی۔ اس نے چاہا کہ میں اپنی  
 لڑکی کی شادی کروں۔ جہاں جہاں بیٹھے ہیں بڑے غور سے سنتا بات کو۔ وہ اپنے  
 گھوڑے یا ناتے پہ سوار ہوا حضور اور مدینے آیا۔ وہاں مدینے کی مسجد میں حضور سید الشہداء  
 امام حسین سے اس کی ملاقات ہوئی اس ایومرہ ثقیفی کی۔ امام حسین علیہ السلام سے وہ ملا۔  
 آگے خدمت میں امام حسین کی وہ بیٹھ گیا اور بیٹھ کے عرض کیا اس نے کہ قبلہ میں ایک دفعہ  
 آپ کے نانا کے پاس بھی آیا تھا۔ میں نے آپ کے نانا سے ایک حدیث سنی تھی وہ مجھے پوری  
 طرح یاد نہیں رہی۔ میں آپ کو وہ سناتا ہوں۔ اگر کہیں بھی بھول جاؤں تو۔۔۔  
 قبلہ آپ اس کی تصحیح کر دیں۔ آپ نے کہا ہاں سناؤ کیا ہے؟ اس نے کہا آپ کے نانا نے  
 یہ فرمایا تھا کہ اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو ایسے شخص کے پاس جانا مشکل کو حل کرنے کے لئے  
 جو تمہارے علاقے میں تمہاری دسترس میں سب سے زیادہ عالم ہو۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے۔  
 وہ حدیث جو آپ نے فرمائی تھی؟۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تجھے صحیح یاد ہے۔ یہی کہا تھا  
 میرے نانا نے۔ اس نے کہا کہ قبلہ آگے بھی ہے۔ کہ لاں کیا؟ کہ آگے فرمایا تھا آپ کے  
 نانا نے کہ اگر عالم نہیں نہ مل سکے تو ایسے شخص کے پاس جانا جو حسب اور نسب میں سب سے  
 زیادہ شریفین ہو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے؟ آپ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ تو نے ٹھیک  
 کہا۔ اس نے کہا حضور آگے یہ کہا تھا کہ اگر حسب و نسب والا نہ ملے تو ایسے بندے کے پاس  
 جانا جو سب سے زیادہ حسین ہو تیری نظروں میں۔ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔  
 بالکل ٹھیک۔ کہا حضور مجھے ایک کام ہے۔ میں ایسے آدمی کے پاس بیٹھا ہوں جو علم میں  
 بھی سب سے زیادہ ہے، حسب و نسب میں بھی سب سے بہتر ہے، حسن میں بھی سب سے

بہتر ہے۔ یہ تینوں صفیوں ہیں۔ میری مشکل آپ حل کریں گے۔ سن یا آپ نے۔ آپ نے  
 اس کی یہ بات سن کے اب اس سے یہ سوال کیا کہ تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا  
 قبلہ فرمائیے کیا پوچھنا ہے؟ کہ یہ بتلاؤ کہ دنیا میں سب سے بڑا آدمی کونسا ہے؟ میری بات  
 کو آپ حضرات سمجھ رہے ہیں۔ اس نے کہا حضور، سب سے بڑا آدمی دنیا میں وہ ہے  
 جن کے پاس علم موعہ علم کے۔ علم نہیں۔ علم موعہ علم کے۔ اس کے ساتھ بے صبری  
 ہو تو یہ علم کی توہین ہے۔ علم موعہ علم کے۔ آپ نے فرمایا بے شک تم نے ٹھیک کہا۔  
 اچھا۔ اور اگر یہ نہ ہو کسی کے پاس پھر؟ کہ قبلہ اس سے دوسرے نمبر پر آدمی وہ ہے جس کے  
 پاس دولت موعہ سخاوت کے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا بالکل ٹھیک کہا۔ اگر یہ بھی نہ ہو  
 تو پھر۔ کہ حضور تیسرے نمبر پر آدمی وہ ہے جس کے پاس فقیری موعہ قناعت کے۔  
 آپ نے فرمایا شامش بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ بالکل درست ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو  
 کہ حضور اس آدمی کو مر جانا چاہیے۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ نے ٹھیک  
 کہا۔ تو نے بالکل صحیح جواب دیئے۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو تم سے۔؟ کیا مانگتے آئے  
 ہو۔ اس نے کہا مانگوں؟ کہ ہاں۔ میری بات قبول فرمائیں گے۔ کہ بالکل۔ کہ حضور  
 مجھے خدا نے ایک لڑکی دی ہے۔ میں خاندان ثقیف کا رئیس ہوں۔ میرے اور کوئی  
 اولاد نہیں۔ میں حضور کی خدمت میں اس لئے آیا ہوں۔ میری تمنا یہ ہے کہ جیسی میری  
 لڑکی ہے، داماد میرا وہ ہو کہ میں دنیا کے سامنے فخر سے کہہ سکوں کہ آؤدیکھو یہ ہے میرا داماد۔  
 آپ نے فرمایا تم کیسے چاہتے ہو؟ کہ حضور اگر میری لڑکی کو قبول فرمائیں۔ آپ نے  
 فرمایا منظور ہے۔ چنانچہ لیلیٰ کا عقد حضور سید الشہداء سے ہوا۔ تو جو فرمائیے نا صاحبان۔  
 بات یہ میری غور فرمادے ہیں نا حضور۔ سید الشہداء کی پہلی بیوی جو ثقیف والدہ امیر المؤمنین  
 وہ ایران کی شہزادی تھیں۔ پھر عقد ہوا آپ کا لیلیٰ سے۔ یہ قبیلہ بنی ثقیف کے سردار کی  
 بیٹی تھیں۔ پھر عقد ہوا آپ کا رباب سے جو جمل کے ایک رئیس امرؤ بن تیس کی بیٹی

تجیں۔ بہر نوح حضور۔ اس وقت میرا مطلب یہ سنانا تھا۔ یہ بات یاد رہے گی نا آپ کو۔  
یاد رکھو گے نا اس کہانی کو۔ اللہ یاد رہے گی۔ بیٹی کا عقد ہو گیا حضور سید الشہداء کے  
ساتھ۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ اب میری کہانی غور سے  
سننے رہنا۔ تاکہ دقت میں بات بھی ختم ہو سکے۔ اور آپ بھی سن لیں۔ میرے محترم  
سامعین اور وہ محترم حضرات جو دھوپ میں بیٹھے ہیں مجھے ان کا بڑا احساس ہے۔  
مگر میں دھوپ میں بیٹھے والوں سے یہ بات کہتا ہوں۔ تم غھوڑی دیر میٹھو گے۔ پھر اسکے  
بعد اٹھ کے گھر چلے جاؤ گے۔ اور حسین کی شہزادی فاطمہ کبرا پورے چھ سال دھوپ میں  
بیٹھی۔ چھ سال تک دھوپ میں بیٹھی رہی۔ پورے چھ سال۔ بہر نوح۔ یہ نعم حسین  
دھوپ اور سایوں کو بنا دیتا ہے۔ ساری چیزیں ختم کر دیتا ہے۔ تو میرے محترم سامعین!  
حضور سید الشہداء کو خدا نے جب پہلا بیٹا امام زین العابدین عطا فرمایا پہلا فرزند تھا سید الشہداء  
امام زین العابدین۔ تو آپ نے اپنے بیٹے کا نام علی رکھا۔ اور بچے کو قطعاً رومال میں لپیٹ کر  
مسجد میں لے آئے۔ وہاں مسجد میں لٹا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی امام  
نے۔ خداوند ی نعمت تو نے مجھے دی تھی۔ میں تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے  
مسجد میں لٹا چھوڑ کر بچے کو، گھر آ گئے۔ جب زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے ،  
امیر المؤمنینؑ اس وقت دنیا میں موجود تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوا۔ مسجد میں گئے۔ دو رکعت  
نماز پڑھی۔ خداوند حسینؑ تو تیرے سپرد کر گیا۔ میں مانگنے آیا ہوں۔ امام زین العابدینؑ  
کو جناب امیر نے آئے ساتھ اور کہا کہ میں نے اسے خدا سے مانگ لیا ہے۔ میں پالونگا۔  
یہ میرا بیٹا بن کے رہے گا۔ میں پرورش کروں گا اس کی۔ یہ تو امام زین العابدینؑ کی بات  
ہوئی۔ اب تفصیل میں جاؤں تو بڑی دیر ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کے گھر بیٹیاں ہوئیں  
اس کے بعد جب دوسرا بیٹا پیدا ہوا جسے آپ علی اکبر کہتے ہیں تو یہ بطن جناب سیدہ لیلیٰ سے  
پیدا ہوا۔ جناب علی اکبر جو لیلیٰ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ بنا و علی اکبر کا یزید



سے کیا رشتہ تھا۔ بولو۔ بیلی تھی نا بھوکھی زاد جن۔ علی اکبر کیا ہوئے۔ یاد رکھنا اس  
 بات کو۔ علی اکبر کیا ہوئے یزید کے۔ ہیں؟ بھانجے۔ سمجھ رہے ہونا صاحبان اور  
 دو مرا بچہ بیلی کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ہے فاطمہ صغرا۔ ہیں۔ فاطمہ صغرا  
 کیا ہوئیں یزید کی۔؟ بولو نا بھئی؟ بھانجی۔ یاد رکھو گے اس بات کو۔ اس بات کو  
 تم نے یاد رکھا تو ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا۔ جب حسینؑ جانے لگے کہ بلا تو آپ نے حکم دیا فاطمہ  
 صغرا ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اسے ہم ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ پوچھا بیدیوں نے  
 کیوں؟ کہ یہ یزید کی بھانجی ہوتی ہیں۔ اگر بقیعہ ہو کے دربار یزید میں گئی اور یزید نے  
 بھانجی کے رشتے کی وجہ سے اسے قیدوں سے جدا کر دیا۔ محل میں بھجھریا۔ نیک نیتی سے  
 بھانجی سمجھ کے۔ بھجھریا محل میں۔ قیامت تک ہمارے دشمن ہمارے شیعوں کو یہ طعنہ دیا  
 کریں گے۔ اس لئے اس لڑکی کو لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسے ہم نہیں لے جائیں گے  
 اب سمجھے آپ فاطمہ صغرا کو کیوں چھوڑا تھا۔ ورنہ بیماری حسینؑ کے لئے کیا شے ہے۔ اب آپ  
 ذہن میں آگئی بات۔ جب شہزادہ علی اکبر پیدا ہوئے۔ دوسرے فرزند تو حسب عادت  
 حسینؑ نے اس بیٹے کو بھی لے جا کر مسجد میں لٹا دیا۔ وہی دو رکعت نماز پڑھی۔ وہی دعا  
 کی خداوندانہ نے یہ نعمت مجھے دی تھی۔ میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اس وقت امیر المؤمنین  
 تو تھے نہیں۔ حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے چلے آئے۔ اور برقعہ پہن کر زینبؑ گئیں۔ مسجد  
 میں۔ اور جا کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور بچے کو اٹھایا۔ خداوندانہ اسے میں مانگتی ہوں  
 علی اکبر زینبؑ لے آئیں مانگ کے۔ اچھا تم جانو اور تمہارا بچہ جانے۔ جناب علی اکبرؑ،  
 زینبؑ کی گود میں پلے۔ زینبؑ کی گود میں پرورش پائی، زینبؑ کے پاس رہے۔ یہاں  
 تک کہ جس طرح امام زین العابدینؑ، علی ابن حسینؑ کہلاتے ہیں۔ علی اکبرؑ، علی ابن زینبؑ  
 مشہور ہو گئے۔ زینبؑ کا بیٹا علی اکبرؑ۔ زینبؑ کے بیٹے مشہور ہو گئے۔ اٹھتا زینبؑ کے ساتھ  
 کھاتا پیتا زینبؑ کے ساتھ۔ گود میں زینبؑ کی۔ اگر کوئی شے مانگتی تو زینبؑ سے۔ کوئی

خند کرتی ہو جناب زینب سے۔ بالکل سو فیصد اس شہزادہ کا تعلق ہی جناب زینب سے تھا۔ میری بات سن رہے ہیں صاحبان۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ ام حسین اکثر زینب سے کہا کرتے تھے بہن میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارا بیٹا مجھ سے بھی کوئی شے مانگے۔ زینب جواب میں کہتیں۔ میرا بیٹا عیترت دار ہے۔ وہ کیوں مانگے۔ میں موجود ہوں۔ کبھی علی اکبر نے حسین سے کوئی سوال نہ کیا۔ حسین کے دل میں یہ تمنا تھی کہ یہ مجھ سے کچھ مانگے۔ مجھ سے کوئی سوال کرے۔ مگر سب مانگتا زینب سے۔ جو سوال کرتا زینب سے۔ جو عرض کرتا زینب سے۔ ان کا نام ہی قبیلہ دنیا میں علی ابن زینب مشہور تھا۔ کون ہیں علی اکبر۔ زینب کے بیٹے ہیں۔ حسین کے بیٹے نہیں کہلاتے تھے۔ علی ابن زینب کہلاتے تھے، باہر جانے لگتے تھے نا گھر سے تو زینب بازو پکڑ کے دعائیں کرتی تھیں میرے بچے کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ مشہور عربی کا محاورہ ہے۔ علی اکبر سے زینب کہا کرتی تھیں کہ بیٹا اس طرح نہ چلا کہ، یہ بالکل علی کی چال ہے، ادھر ادھر چلا کہ۔ اس طرح پالتی تھیں۔ سترھواں سال تھا کہ مدینے سے روانہ ہو گئے۔ چلے۔ سنو گے۔ اور آپ سنیں گے تو حیران ہوں گے۔ حیران کیا اس خاندان کی ساری باتیں ایسی ہیں۔ جب آل محمد کی خواتین، مدینے میں سوار ہونے لگیں اپنی سواریوں پر تو اسوقت عصر کا وقت تھا۔ ۲۸ رجب تھی۔ سنو گے مسلمانو۔ ایک ایک ناقہ آتا تھا دروازے پر۔ اور آواز آتی تھی "مادر قاسم کی سواری حاضر ہے"۔ اور مادر قاسم آتی تھیں۔ قاسم سلام کر کے انہیں سوار کراتے تھے۔ پھر آواز آتی تھی فلاں خاتون۔ فلاں خاتون، اور اس خاتون کے متعلقین سوار کراتے۔ سب سے آخر میں کائے بردوں والی محل دروازے پر آئی، ناقہ بٹھایا گیا۔ اسوقت سید الشہداء مسجد میں بیٹھے تھے۔ اصحاب رسول سے گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ نے پاس بیٹھنے والوں سے فرمایا۔ بھائیو ذرا مجھے اجازت دو میں خود کھڑے ہو کر زینب کو سوار کراؤں گا۔ ام خود شریف لائے اور قرعہ بنی قاسم نے آواز دی۔ چلے والو، اب زینب سوار ہو رہی ہے۔ اور دیکھو کوئی شخص

سواری پہ چڑھ کر زمین سے نہ گذرنے پائے۔ کوئی آدمی چھت پر نہ چڑھے پائے۔ محفل میں شور نہ ہو۔ خبردار جو کسی نے کوئی ایسی بات کی۔ اس طرح ایک ایک خاتون سوار ہو رہی تھی اہم خود آئے بہن کو سوار کرانے۔ جب آپ آئے ہیں سوار کرانے بہن کو ایک بازو زینت کا حسین نے ایک بازو علی اکبر نے لاتھ میں لیا۔ اس طرح دروازے تک آئیں۔ اور جب دروازے پہ پہنچی ہیں اس طرح تو یہ پہلا موقع ہے کہ زینت نے اپنی زندگی میں علی اکبر سے کہا کہ بیٹا میرا بازو چھوڑ دو۔ علی اکبر نے چھوڑ دیا۔ پھر حسین سے کہا آپ بھی چھوڑ دیں۔ انہوں نے بھی چھوڑ دیا۔ بہن کیا بات ہے؟ کہ بس میری منشا یہی ہے مجھے سوار کرانے کے لئے زین العابدین کو بھیج دو۔ اور حضور امام زین العابدین آگئے۔ کہا بیٹا تم مجھے خود سوار کراؤ۔ میرا تمہارا ساتھ ہے۔ سوار ہو گئے روانگی ہو گئی۔ اور سید الشہداء نے حکم دیا کہ میرے باپ کے گھوڑوں میں سے جو سب سے شریف ترین گھوڑا ہو وہ زین العابدین کی سواری کے لئے مخصوص کیا جائے۔ خاص طور پر زین بنایا گیا تھا۔ امام زین العابدین کے لئے۔ نہایت نرم و نازک تھا۔ تاکہ سوار ہو کر کوئی تکلیف نہ ہو۔ گھوڑے کو خاص طور پر سکھایا گیا تھا کہ وہ اشارے کے مطابق چلے۔ لوگوں نے عرض کیا قبلہ۔ آپ اور بیٹوں کی پرواہ نہیں کرتے زین العابدین کی بڑی پرواہ کرتے ہیں۔ اہم نے جواب میں فرمایا کہ مجھاتی بات یہ ہے کہ اس کے ماں ایران کی شہزادی تھیں۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے۔ اس کا مزاج شہنشاہی ہے۔ یہ کوئی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا شاہی مزاج ہے۔ شاہی مزاج تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ شاہی مزاج کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور بات آگئی زبان پر۔ وہ بھی کہتا چلوں۔ جب زبان پہ بات آئی ہے تو تمہیں سنا دو اور گھر میں یہ حکم تھا۔ اب سنا بڑے غور سے۔ گھر میں یہ حکم تھا مستورات سے سید الشہداء امام حسین کا کہ دیکھو بیٹیو۔ دیکھو میری بہنو۔ گھر کے اندر جب زین العابدین بیٹھے ہوں تو گھر کے اندر بھی کسی کا سر نہ کھلنے پائے۔ میرے

بیٹے کاشت ہی مزاج ہے یہ برداشت نہ کر سکے گا۔ اس کا شاہی مزاج اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس محفل میں میری، جتنے نوجوان بیٹھے ہیں۔ ہمارے خون میں اب وہ دواہم نہیں رہا۔ ہمارے خون میں اب وہ حرارت نہیں رہی ہے۔ نوجوانوں سے معافی مانگ کر۔ ان کے خون میں گرمی مہتی ہے نوجوانوں کے۔ ان سے میں معافی چاہ کر۔ یہ بات سنانا چاہتا ہوں۔ نوجوانو! ذرا خود سے سننا میری بات کو۔ تمہارے خون میں گرمی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں بھی نوجوان تھا۔ آج سے اکیس سال پہلے کی بات ہے اور میں دکن گیا تھا۔ وہاں میں نے یہ واقعہ پڑھا جو ابھی تمہیں سناتا ہوں تو نوجوانوں نے چاقو مار لئے تھے۔ پھر میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اس واقعہ کو۔ اب میں اسے نرم کر کے پڑھتا ہوں۔ نوجوانوں سے ڈر کے۔ امام زین العابدین کا واقعہ تمہیں سناتا ہوں۔ امام زین العابدین روانہ ہوئے مدینے سے تو بالکل ۲۲ سال کے تندرست جوان شہزادہ۔ امام نے چہرے پر نقاب ڈلوادی۔ اور کسی کے نہیں۔ لوگوں نے کہا قبلہ ان کے چہرے پر نقاب کیوں ڈلوادی۔ فرمایا یہ شہزادہ ہے۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے اور شاہی خون بازاروں میں بے نقاب نہیں چل سکتا۔ میں کس طرح تمہیں وہ منظر سنائوں۔ باپ کے ساتھ ساتھ گھوڑے پر زین العابدین سوار۔ کربلا پہنچے۔ حسین سے دوسرے نمبر کا انسان امام زین العابدین۔ چوتھا امام۔ وہی اعزاز تھا جو حسین کے دوسرے نمبر کا ہونا چاہیے۔ توجہ ہے ناہجان۔ میرے محترم سامعین، نوین تاریخ آئی محرم کی۔ نو کی شام کو امام زین العابدین کو بخار ہوا۔ یہ غشی کب تک رہی؟ دسویں کی شام تک۔ اللہ نے یہ انتظام کیا تھا۔ اس واسطے یہ غشی مسلط کر دی تھی کہ امام کی ہل من ناصیہ کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچے۔ ورنہ جہاد فرض ہو جاتا اور اہمیت کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔ جب بخار ہوا۔ آپ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے بخارا تھا کا تھا۔ غشی کا عالم اور ایک سندھی خاتون جو آپ کی ماں کے ساتھ گئیں تھیں،

شہرِ نانو کے۔ وہ آپ کی دایہ تھیں۔ تیار دار تھیں۔ اسے امام زین العابدین کی آماں کہتے تھے۔ وہ پاس بیٹھی تھیں۔ جب رات کے نو دس بجے تو آپ نے سنا۔ سید الشہداء نے اپنے خیمے میں اپنے ساتھیوں کو بلا کے ایک کانفرنس کی اور اس میں یہ فرمایا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہ تم جا سکتے ہو۔ سنا ہے نا آپ نے؟ یہ نہیں کہا تم جاؤ۔

اگر کہتے جاؤ۔ پھر وہ رگ نہ سکتے۔ پھر انہیں جانا پڑتا۔ یہ نہیں کہا، یہ کہا کہ تم جا سکتے ہو۔ تمہاری مرضی۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نہیں جا میں گئے، جو آپ نے سنا ہے۔ تو انا تم نے فرمایا۔ اچھا تم ایک کام کرو۔ اپنے خیمے اٹھاؤ جہاں جہاں لگے ہوئے

ہیں۔ اور سیدائوں کے خیموں کے چاروں طرف لگاؤ۔ سن رہے ہو۔ تاکہ سادات کے خیموں کی رات میں حفاظت ہو سکے۔ اور یہ بے حیا فرج اگر رات میں حملہ کرنا چاہے تو ان سادات کی حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ سب اصحاب کے خیمے اٹھ کر چاروں طرف

لگ گئے۔ میری بات سن رہے ہو نا خور سے۔ انہوں نے اپنے خیموں میں بیٹھ کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ سنا جاتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ مذہبِ اہلبیت کے قصیدے پڑھنا شروع کر دیئے۔ مرنے کی عید ہو رہی تھی۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ بھئی مبارک ہو۔ گل مرزا ہے۔ رات کے ایک بجے کا وقت اور ان کے خیموں

سے آوازیں آرہی تھیں قرآن کی۔ حدیث کی، مناجاتوں کی۔ تم تیار ہونا۔ اب بات جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ جب ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔ خیموں میں قرآن پڑھنے کی مناجات

پڑھنے کی اسوقت امام زین العابدینؑ کو غشی سے آفاقہ ہوا۔ آپ ذرا بیدار ہوئے۔ بیدار ہو کر پوچھا اپنے تیار دار سے کہ کس کی آواز میں سن رہا ہوں۔ تو خاتون نے کہا کہ جو ہمارے اصحاب ہیں، جو ہمارے جانثار ہیں۔ وہ اپنے خیموں میں قرآن پڑھ رہے ہیں۔ دعائیں

مانگ رہے ہیں۔ ان کی آواز آرہی ہے یہ۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ اور میرے آبا کہاں ہیں۔ کہ وہ وہاں مصطفیٰ پر بیٹھے ہیں۔ کہ تم جاؤ اور میرے آبا کو یہ کہو کہ بیٹے کو غشی سے آفاقہ ہے

اور آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس خاتون نے آکے امام کو سلام پہنچایا۔ امام مصلیٰ سے اٹھے  
 اور سید سے بیارکے بیٹے میں گئے۔ امام زین العابدین تعظیم کو اٹھے۔ امام نے بیٹھا۔ نبض  
 دیکھی۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ بیٹا بخار کا کیا حال ہے؟ طبیعت کیسی ہے؟ بیٹا جلدی  
 جلدی اچھے سرجاؤ۔ بڑا کام کرنا ہے۔ میں ٹرسین کو یہ بات کہتا ہوں۔ جس کسی کو پرنٹ نہ ہو  
 یہ دُعا پڑھ لیا کرے۔ چھوٹی سی دُعا ہے۔ کتابوں میں لکھی ہے۔ وہ دُعا تعلیم کی۔ جب یہ باتیں  
 ہو چکیں تو امانے پوچھا۔ بیٹا تم نے مجھے کیوں یاد کیا تھا، موت۔ کہ اب ایک بات عرض کرنی ہے۔  
 ہاں کہو بیٹا۔ یہ جو ہمارے اصحاب ہیں۔ یہ جو ہماری فرج ہے۔ جو ہمارے سپاہی ہیں۔ جو  
 ہمارے مددگار ہیں۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ میں قیامت تک ان کا احسان مند رہوں گا۔ ان کے  
 ہم شکر گزار ہیں۔ اور اب ان کی آخری خدمت جو ہے دفن کی وہ تو میں کروں گا۔ اور میں  
 آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کی قبر پر کھڑا ہوں گے میں کھونٹکا۔ میرے ماں  
 باپ تجھ پر قربان ہوں۔ تم ہمارے محسن ہو۔ تم نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔ ہاں بیٹا ٹھیک  
 کہتے ہو یہ ہمارے بڑے محسن ہیں۔ کہ قبل ان تمام باتوں کے باوجود میں جو عرض کرنا چاہتا  
 ہوں وہ یہ بات ہے یہ سب کچھ صحیح مگر میں تو ناخرم۔ ان کی آواز ہمارے زمانے خیروں میں  
 آتی ہے۔ ممکن ہے ہماری سورتوں کی آواز دہاں جا رہی ہو۔ ان کے حیرت انگیز ذرا خاصے پر نہیں  
 ہو سکتے۔ یہ کہنا تھا کہ امام بیٹھے تھے۔ اُٹھے۔ سید الشہداء پھر بیٹھے۔ پھر اٹھے۔ پانچ  
 چھ مرتبہ کبھی اُٹھے، کبھی بیٹھے۔ گھبرا کے کہتے ہیں بیٹے سے، بیٹا زین العابدین۔ آج کی  
 رات تو یونہی رہنے دو۔ کل جرات آئے گی، تم جانو اور نصیحت۔ ایک دفعہ پھر غش آ گیا امام  
 زین العابدین کو۔ اس غش سے کب آفاۃ ہوا، یہ پھر بتاؤں گا۔ اب آرام آرام سے  
 سنتے چلیں کہانی کی طرح۔ اور میرے معزز حنا معین ہر سال میں حاضر ہوتا ہوں۔ پتہ نہیں  
 اگلے سال آنا ہو۔ ممکن ہے یہ آپ کی آخری زیارت ہو۔ میں آپ سے بڑے خلوص سے یہ معافی  
 مانگتا ہوں۔ یہ میں آپ کو اپنے گھر کی کہانی سن رہا ہوں۔ میں شرمندہ ہوتا ہوں، مجبوری بن گئی ہے۔

کہانی ایسی ہے میں کیا کروں۔ دل نہیں چاہتا سنانے کو۔ مگر کہانی ایسی ہے۔ بات کو میری سنو گے؟ امام کی فوج میں جو موذن تھے ان کا نام تھا حجاج ابن سعود۔ جب صبح ہوئی تو وہ اذان کے لئے اٹھے۔ امام نے فرمایا۔ حجاج بھائی آج تم اذان نہ کہو۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اور آپ نے فرمایا علی اکبر بیٹا آج تم اذان کہو۔ شہزادہ علی اکبر نے اذان کہی۔ ادھر کہا اللہ اکبر۔ ادھر دوگوں کے گانوں میں رسول کی آواز گونجی اور تمام خواتین غموں سے نکل کر باہر آگئیں۔ اور زینب نے حکم دیا بی بیو خاموشی سے اذان سنو۔ اس کے بعد یہ آواز نہ سن سکو گی۔ اذان ہوئی۔ نماز ہوئی۔ اور اس کے بعد امام نے تیاری کی، رخصت ہوئے۔ میدان میں آگئے۔ میں مختصر کرتا جا رہا ہوں اب بات کو۔ چند لمحوں میں تیاری تہنے لگی میدان کی۔ اور سید الشہداء کے کان میں آواز آتی رہی۔ مولائیں گم ہو گئیں۔ میرے آقا میں گر گیا۔ اور ہر آواز پہ امام جاتے رہے۔ جب تقریباً قریب قریب پچاس لاشیں حسین اٹھا چکے تو اس وقت ایک بچ گیا۔ پچاس لاشیں اٹھانے کے بعد۔ حیثین کے صحابیوں میں ایک صحابی تھے مسیب کے رہنے والے۔ سید نام تھا۔ بڑھے آدمی تھے۔ وہ آئے مولانا کے سامنے اور کہنے لگے قبہ ظہر کا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ خدا تجھے نماز دیوں میں غمخوار کرے ظہر کا وقت ہے۔ کیا چاہتا ہے تو سعید؟ کہ قبہ یہ میری آخری نماز ہے۔ میں آپ کے ساتھ جماعت سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ چند ساتھی جو باقی رہ گئے تھے بیٹھ کے سب نے تیمم کیا اور آپ نے فرمایا اس فوج سے کہدو کہ چند منٹ کے لئے تیر روک لے۔ ہم یہ جماعت کی آخری نماز پڑھ لیں۔ فوج نے تیر نہ روکے۔ صف بن گئی۔ اور یہ سعید صف میں سے نکلے، جنہوں نے نماز کا کہا تھا۔ کہا مولانا آپ نماز پڑھا میں میں سامنے کھڑا ہوں۔ کہ کیوں؟ کہ میں آپ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا۔ ادھر سے تیر آتے رہے۔ ادھر سے یہ سعید پسیوں پر تیر روکتا رہا۔ تمام تیر کھس گئے بدن میں۔ ادھر امام نے سلام پھیرا۔ ادھر یہ گرا گود میں ممد ان تیروں کے۔ اور گر کر پوچھتا ہے (هل و فیت یا ابن رسول اللہ۔)

رسول کے بیٹے آپ مجھ سے راضی ہیں۔ میری نماز ہو گئی ہے قبلہ؟ اور امام جواب میں فرماتے ہیں  
 انت اما نحن فی الجنتہ سبعۃ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں۔ جب میں جنت میں جاؤں گا تو میرے  
 آگے آگے چلے گا۔ سبعتہ نے فرمائش کی۔ قبلہ اگر میں وہاں آگے چوں گا تو میری ایک  
 فرمائش ہے۔ کیا؟ کہ یہ تیر میرے بدن سے نہ نکالنا۔ میں ان تیروں سمیت تیرے نانا  
 کے سلام کو جاؤں گا۔ اسی طرح جنت میں جاؤں گا ان تیروں سمیت اور اس کے بعد  
 سبعتہ گود میں بیٹھے ہیں۔ ایک دم کہنے لگے قبلہ یہ کسی نے میرا سر اپنی گود میں سے لیا ہے۔  
 امام نے فرمایا سبعتہ میرا سلام کہو یہ میرے نانا آگے۔ قبلہ یہ کوئی میرے سینے پر ہاتھ پھیر  
 رہا ہے کہ میرے بابا حیدر کرتا رہے ہیں۔ یہ کوئی میرے ہاتھ دبا رہا ہے۔ کہا یہ میرے بھائی حسن  
 آگئے۔ اور ایک دفعہ گھبرا کے سبعتہ نے کہا یہ میرے پیروں کے پاس کوئی آگیا۔ امام نے  
 فرمایا سبعتہ ذرا پاؤں پٹھا دو میری اماں آگئیں۔ میری اماں ہیں۔ اور میرے معزز سامعین!  
 سبعتہ کی شہادت ہو گئی۔ اس واقعہ کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں نظم کیا ہے انہوں نے  
 نماز کی بجائے یہ کام کیا تھا۔ اس بات کو مولانا روم مثنوی میں لکھتے ہیں۔

نماز ظاہری ذکر و سجد است ، نماز عاشقان ترک وجود است

یہ ذکر اور سجد سے ، یہ ظاہری نماز ہے ، وہ عاشقوں کی نماز تھی جو تیر کھائے کرے ،

میں نے جب کہ بلائے معلیٰ میں حرم کیا تھا نا بھائی تو دسویں حرم کو ہزاروں قافلے تاملی آئے  
 تھے۔ ایک دروازے سے آتے تھے تو دوسرے سے نکل جاتے تھے۔ ایک بچے نظر کے وقت  
 ایک قافلہ آیا۔ پچیس تیس جواڑوں کا۔ کرتے انہوں نے اتارے ہوئے تھے۔

حسین حسین۔ ماتم کرتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے۔ اور تمام لوگوں نے انہیں راستہ  
 دے دیا۔ وہ آگے صریح کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ ایک ہاتھ سے صریح پکڑ لی  
 اور ایک ہاتھ سے ماتم شروع کر دیا۔ تمام حرم میں کہرام مچا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون  
 ہیں؟ تو مجھے بتایا کہ یہ سبعتہ، جنہوں نے نماز پڑھائی تھی۔ یہ اسکی اولاد ہیں۔ یہ ہر سال



ظہر کے وقت آتے ہیں یہاں۔ اب ان کا زور سنو یہ کیا زور پڑھ رہے ہیں۔ اور وہ زور میں  
 کہہ رہے تھے۔ حسین ظہر کا وقت ہے اٹھو۔ سینئر کی اولاد حاضر ہے۔ اور اسی نماز  
 کے وقت حضرت حبیبؓ بھی شہید ہو گئے۔ اصحاب سب شہید ہو گئے۔ اب یاری  
 اولاد کی آگئی۔ اور مولاً، آقا کی آواز آئی بند ہو گئی۔ اب صرف اولاد باقی رہ گئی  
 بنی ہاشمؓ کی۔ یہ باقی وہ گئے صرف تو انہوں نے جو ان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے مسلم کے بچے  
 عقیل کے بچے۔ حضرت مسلم کے بھائی جناب عباس چاروں بھائی سمیت، جناب امیرؓ  
 کے دوسرے صاحبزادے، امام حسن کے بیٹے، یعنی اولاد بنی ہاشم۔ یہ سامنے کھڑے ہوئے  
 انہوں نے ایک نظر سب پر ڈال کر اور خود فرمایا "سب یا بنتیہ" ان سب سے پہلے بیٹا علی اکبرؓ  
 تم جاؤ میدان میں۔ میں یہ نہیں گوارا کرتا کہ دوسرے بچے شہید ہو جائیں اور میرا بیٹا بچ جائے۔  
 سب سے پہلے تم جاؤ بیٹیا۔ بس اس حکم کا سونا تھا علی اکبرؓ روانہ ہو گئے۔ ابھی دس بیس  
 قدم گئے ہوں گے کہ انہوں نے آواز دی واپس آؤ۔ علی اکبرؓ واپس آئے۔ حکم؟ کہ جانے سے  
 پہلے خیبر میں جاؤ۔ ماں کو سلام کرو، چھو بھی سے ملو۔ بہنوں سے رخصت ہو۔ پھر جانا۔  
 علی اکبرؓ نے گھوڑا دہیں چھوڑا۔ اتر کے گھوڑے سے چنبھے میں گئے، اور انہم ساتھ گئے۔  
 انہم ساتھ گئے۔ سنو جہاں جہاں بیٹھے ہو۔ سب سے پہلے ماں کے پاس گئے بیٹا کے۔  
 اور جا کے سلام کیا۔ ماں سلام۔ جو مستورات میری بات سن رہی ہوں عورتیں، وہ  
 بھی سن لیں۔ اور مرد بھی سن لیں کہ لیلیٰ جواب کیا دیتی ہے؟ لیلیٰ کہتی کیا ہے سلام کے جواب  
 ہیں۔ اکبر بیٹا تم ابھی زندہ ہو؟ میں تو منت ماننے بیٹھی ہوں میرا لال کہ تیری میت آئے  
 تو شکر لے کی نماز پڑھوں۔ سنو علی اکبرؓ بیٹا۔ میرا معاملہ بڑا نازک ہے بیٹا۔ میرا اس  
 کم سخت سے رشتہ ہے یزید سے۔ تجھے پتہ ہے یا نہیں؟ اگر تو کسی سے پچھے رہ گیا چاہے  
 کسی اور وجہ سے رہ جائے۔ کہیں دنیا یہ نہ کہہ دے کہ ماں نے۔۔۔ یا ہوگا۔ بیٹا تیری  
 ماں کی عزت کا سوال ہے۔ جلدی جا۔ اور بیٹے نے کہا اتاں میرا۔۔۔ ہوں۔ تم فکرت کرو۔

یہ کہہ کے آئے پھوپھی کے پاس۔ باپ نے فرمایا زینب سے بہن زینب، اکبر تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کچھ بات کرنے آئے ہیں۔ آج میں سنا چاہتا ہوں کہ پھوپھی جتنی باتیں میں کیا بات ہوتی ہے۔ زینب ذرا سنبھل کر بات کرنا آج۔ علی اکبر گئے۔ اماں سلام زینب نے دعائیں دیں۔ لیٹ گئے۔ گود میں سر رکھ دیا پھوپھی کے۔ اور پھوپھی نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اماں دیکھ رہے ہیں کہ بات کیا ہوگی۔ بات کیا کی بیٹے نے آتاں۔ بیٹا۔ میں نے ساری عمر کبھی کوئی بات پوچھی تو آپ سے۔ کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ سے۔ سیکھا تو آپ سے۔ کوئی سوال کیا تو آپ سے۔ آج میں آپ سے ایک سوال کرنا ہوں۔ اور زینب کہتی ہے ماں بیٹا پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ کہ سوال۔ کہ اماں یہ بتلاؤ کہ خدا کی نظروں میں آپ کا مرتبہ زیادہ ہے یا دادی فاطمہ کا۔ اور زینب جواب میں کہتی ہے کہ بیٹا۔ اتنے سمجھ دار ہو کہ یہ کیا پوچھ رہے ہو۔ میں تو فاطمہ کی ادنیٰ کینز ہوں۔ میں کجا۔ فاطمہ کجا۔ جب زینب نے یہ کہا تو اٹھ کے بیٹھ گئے، اور بیٹھ کے کہتے ہیں آماں۔ اگر یہ بات ہے کہ دادی فاطمہ کا مرتبہ بہت زیادہ ہے آپ سے تو آج ایک کام تو کر دو۔ کیا بیٹا؟ کہ آج فاطمہ کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ اور اماں نے فرمایا۔ زینب میں نہ کہتا تھا ذرا سنبھل کے بات کرنا۔ اب بتاؤ کیا جواب دو گی؟ زینب نے سر جھکایا۔ اور دونوں بہن بھائیوں نے کھڑے ہو کر لباس پہنایا اور اکبر کو رخصت کیا۔ خیمے سے۔ خود فروج یزید اس بات کی رادی ہے۔ ہم غور سے دیکھ رہے تھے۔ حسین کے خیمے کا پردہ کبھی اٹھتا، کبھی گرتا تھا۔ بڑی دیر لگ گئی۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ علی اکبر رخصت ہو کے گھر سے جب باہر نکلنے لگے ہیں کبھی کوئی بہن آگے دہن پکڑ لیتی ہے۔ کبھی کوئی پھوپھی روک لیتی ہے۔ کبھی چی روک لیتی ہے۔ جب بڑی دیر ہو گئی تو اماں نے فرمایا بی بی یوسف مسافر کا راستہ نہ روکو۔ اکبر کو جانے دو۔ بی بیامیاں دم بخود ہو گئیں۔ علی اکبر آخری مرتبہ روانہ ہوئے۔ تو جہاں جہاں بیٹھے ہو

صاحبو۔ اب کے جو چلے ہیں آخری مرتبہ تو ایسا منظر بن گیا کہ حسینؑ جیسا صاحب بھی آنکھوں پر  
روان رکھ کے باہر آگیا۔ دیکھ نہ سکا اس منظر کو۔ وہ یہ تھا کہ اکبرؑ روانہ ہوئے  
کانوں میں ایک آواز آئی۔ اکبرؑ سم سے نہیں ملتا۔ اب جوڑ کے دیکھا تو بیمار بھائی  
چلا آ رہا تھا۔ اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اب یہ منظر حسینؑ بھی  
نہ دیکھ سکے۔ باہر آئے۔ اور بس بھائیوں اب میں مختصر کو دلوں۔ میں بھی تھک گیا ہوں  
بھائی سے رخصت ہو کے علی اکبرؑ باہر آئے۔ کس کس بات کو کیوں اور کیا کیا کہوں جو ان  
تو جو ان تم نے ماتم کرنا ہے اور میرا ذاتی ایمان ہے کہ بیس صفر کی چیلم کی مجلس میں چلے وہ  
کہیں بھی ہو دو معصوم ضرور آتے ہیں۔ ایک امام زین العابدینؑ اور ایک جناب  
زینبؑ۔ اور بی بی زینبؑ سے آپ کی سفارش ہے کہ بی بی آج یہ شاہ جن چراغ  
میں مجلس ہو رہی ہے۔ میں ان سادات کی اجازت سے جنہوں نے یہ مجلس کی ہے۔ یہ  
اعلان کرتا ہوں کہ ہم تیرے علی اکبرؑ کا چیلم کر رہے ہیں تاکہ ہماری یہ مجلس اکبرؑ کی مجلس  
ہو جائے۔ باہر نکلے اور امامؑ نے خود گھوڑے کی رکاب پکڑ کے سوار کر لیا۔ سوار  
ہوئے۔ چلے۔ پیچھے پیچھے حسینؑ اور آگے آگے اکبرؑ۔ جب دس بیس قدم چلے۔ گھوڑا  
رکا۔ بابا میں نہ جاؤں؟ آپ کیوں آ رہے ہیں؟ حسینؑ نے بس ایک جواب دیا۔  
علی اکبرؑ بیٹا، تمہیں میرے دل کا اندازہ نہیں۔ تمہارے کوئی جوان بیٹا جو نہیں۔  
حسینؑ بلیٹھ گئے۔ اکبرؑ چلے گئے۔ اب میں اپنی وہ مختصر گفتگو کرتا ہوں۔ اکبرؑ  
میدان میں، حسینؑ ریت کے ٹیلے پر۔ زینبؑ دروازے میں۔ بلی مصطیٰ پر۔ بلی  
کی نظر زینبؑ پر۔ زینبؑ کی نظر حسینؑ پر، حسینؑ کی نظر اکبرؑ پر۔ اکبرؑ کی نظر فوج  
پر۔ سن رہے ہونا میری بات کو؟ اور مختصر کہ دوں۔ دس منٹ گزرے ہونگے  
اکبر گھوڑے سے گرے، حسینؑ ٹیلے سے گرے۔ زینبؑ دروازے پر گرے۔ بلی سجدے  
میں گرے۔ گھوڑی پر بعد حسینؑ اٹھے۔ میدان میں آئے۔ جب علی اکبرؑ کی میت

نودس قدم کے فاصے پر بردہ گئی۔ تو کھڑے ہو کر آواز دی۔ اگبر بیٹا، ہمیں پکارو،  
 ہمیں آواز دو۔ ہم تمہاری آواز کے سہانے تم تک پہنچیں گے۔ ہمیں بیٹا برتر نظر نہیں  
 آ رہا۔ ہماری آنکھیں کام نہیں کر رہی ہیں۔ اور اگبر نے آواز دی۔ ”ایسا یا ابست“  
 بابا میں یہاں ہوں۔ منجھے۔ لاش کو دیکھا۔ اگبر تڑپ اُٹھے تھے۔ جوان کا تڑپنا جو  
 اپنے دیکھا۔ گھبرا گئے۔ میں نے کہا ہے یہ لفظ تو۔ اب تمہیں میں فدائے سخن ابوالکلام  
 انیس کا ایک شعر سنانا ہوں۔ جب بیٹے کو تڑپتے دیکھا تو حسین نے کیا کہا۔ اس کو نہیں  
 نے نظم کیا ہے۔ تڑپتے دیکھ کر علی اگبر کو حسین کیا فرماتے ہیں؟ کہ بیٹا ہے

بے چین ہو تم دل میرا گھبراتا ہے بیٹا

تم بے چین ہو میرا دل گھبراتا ہے

مر باؤ کہ اب صبر میں فرق آتا ہے بیٹا

بیٹھ گئے۔ لاشے کو گود میں لیا۔ اگبر ہم آگئے۔ بابا آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ سنو گے  
 جو انو۔ حسین نے ہزاروں دفعہ کہا ہے زندگی میں کہ اگبر ہم سے کچھ مانگو۔ میرا دل  
 چاہتا ہے کہ تم کچھ مانگو۔ آج پہلا موقع ہے کہ اگبر کہتے ہیں، بابا میں ایک چیز مانگتا  
 ہوں۔ حسین کی تنہا ہے ساری عمر کی۔ حسین نے کہا مانگو بیٹا کیا مانگتا ہے۔ پہلی مرتبہ  
 مانگا ہے بیٹے نے۔ کیا؟ بابا ایک شے چاہتی ہے۔ کیا میرے لال؟ ایک گھوٹ پانی کا۔  
 مانگا بھی تو کیا مانگا۔ حسین نے آسمان کو دیکھا اور کہا بیٹا یہ تو ممکن نہیں۔ اور کوئی شے  
 مانگو میرے لال۔ آیا اور شے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے جسے میں سے چلو تاکہ میں اپنی اماں  
 سے جلتے بات کر سکوں۔ ہاں یہ بات، ہم کریں گے۔ لو اب میں ختم کر رہا ہوں گفتگو کو۔  
 توجہ سے سنا جو انو۔ تم نے آج جواؤں کا ماتم کرنا ہے یہاں۔ اماں نے لاش اٹھائی۔  
 ہاتھ کانپے۔ لاش گرنے لگی۔ لٹائی، دوبارہ اٹھائی۔ سہ بارہ اٹھائی۔ جب جوان  
 کی میت بڑھے باپ سے ڈانٹو سکی، تو باپ نے فرمایا اگبر بیٹا یوں کرو۔ دونوں ہاتھ میرے

گلے میں ڈال لو۔ کچھ تم سہارا کرو۔ کچھ میں سہارا دوں۔ ابر نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ باپ نے فرمایا، بیٹا دونوں ہاتھ۔ کہ آیا میں باپاں ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا نہیں چاہتا۔ مولانے کہا کیا بات ہے؟ میں اپنا سینہ آپ کو دکھانا نہیں چاہتا آیا۔ نہیں میرے لال دکھاؤ کیا بات ہے؟ امّ نے حکم دیا۔ ابر نے ہاتھ ہٹایا۔ حسین نے دیکھا۔ کیا دیکھا۔؟ کہ برجھی ٹوٹ کے وہیں لگی ہوئی ہے۔ ایک بچہ باہر نکلی ہوئی ہے۔ حسین نے کہا یہ بات حق ہی بیٹا۔ گھراؤ نہیں بیٹا۔ لٹایا بیٹے کو۔ ایک ہاتھ رکھا بیٹے پر، ایک ہاتھ سے پکڑی برجھی اور بلند آواز سے کہا۔ نانا رسول اللہ، دادا ابراہیم کو ساتھ لے کر کہ بلا میں آؤ، اود آ کے دیکھو میری آنکھوں پہ پٹی نہیں ہے۔ میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا۔ آ کے دیکھو تو سہی۔ یہ کہہ کے جو برجھی ہلائی۔ برجھی ملی تو اس میں چھدا ہوا ابر کا دل ہلا۔ دل ہلا تو سارا بدن کانپا۔ بدن کانپا تو کہ بلا کی زمین کانپا۔ کہ بلا کی زمین لرزی تو حسین کے خیمے لرزے۔ خیموں کا لرزنا تھا کہ دروازے سے آواز آئی۔ بہن کو آنے دے۔ دونوں مل کے یہ کام کریں گے۔ اکیلانہ کہ حسین۔ زینب کی آواز حسین نے سنی کہ باہر آنا چاہتی ہے۔ ادھر حسین نے مرط کے حکم دیا کہ بحیثیت امّ کے حکم دیتا ہوں علی ابر کے گھوڑے دروازے پہ جا کے زینب کو روک دے۔ امّ نے کہا۔ سنتے ہی گھوڑا دروازے پہ پہنچا، تاکہ زینب دروازے پہ لڑک جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو زینب دروازے سے باہر آجائے۔ ادر حسین نے لاش اٹھالی اور لے کے روانہ ہوئے۔ بس بھائیو یہ میری گفتگو کا اختتام تھا۔ یہاں بات میں نے ختم کر دی۔ نوجوانوں تم نے ماتم کرنا ہے آج۔ کرنا ہے نا؟ بوو جی۔ ایک دفعہ میرے سامنے تو بیٹے پہ ہاتھ مار کے کہو یا حسین۔

# موت و حیات

عنوان	:-	موت و حیات
مصاب	:-	اہم موسیقی کا نظم

کبھی گزر اہوں بعد کے باز اوس سے  
 لائیں روہ کے بھرنے لگیں دیوار اوس سے

سیّد جعفر طاہر

حضرات: کافی دیر سے آپ مجلس عزائم میں تشریف فرما ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنی دیر تک بیٹھنے سے اب آپ حضرات کافی تھک چکے ہوں گے۔ اور میں کوئی مجلس پڑھنے اس وقت حاضر نہیں ہوا آپ کی خدمت میں۔ بلکہ اختتام مجلس پر ننگریہ کے الفاظ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں۔ میری آواز پہنچ رہی نا جناب؟ (بھئی یہ آواز نہیں جا رہی بیٹا) اچھا اب جا رہی ہے آواز۔ دیکھو میرے معزز مس معین! میں جو بھی بات کر رہا ہوں میرے اور آپ کے درمیان یہ ذاتِ شریف وسیلہ ہے۔ یہ چاہیں تو میری آواز پہنچائیں چاہیں تو نہ پہنچائیں۔ اگر وسیلہ ٹھیک ہو تو کام ٹھیک ہوتا ہے۔ وسیلہ غلط ہو تو کام غلط ہو جاتا ہے۔ اس وسیلے (لاؤڈ سپیکر) کا اس لئے اعتبار نہیں کہ یہ کرائے کا وسیلہ ہے۔ بہر نوع خدا کرے یہ کام دیتا رہے۔ خدا کرے یہ آپ تک میری آواز پہنچاتا رہے۔ ہاں تو میں اس عرض سے آغاز کرتا ہوں کہ ہر انسان تین چیزوں سے مل کر انسان بنتا ہے۔ ایک جزو کا نام ہے۔ روح، ایک جزو کا نام ہے۔ نفس۔ نفس ناطقہ۔ روح و نفس و جسم ان تینوں چیزوں کے مجموعے سے انسان، انسان بنتا ہے۔ میری بات پہ غور فرمایا آپ نے۔ آپ اور ہم سب ان تین چیزوں سے مل کر بنتے ہیں۔ ایک جسم ہے۔ ایک روح ہے۔ ایک نفس ناطقہ ہے۔ پوری توجہ ہے نا صاحبان۔ جسم جو ہے۔ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سنا ہے چار جزو ہیں۔ سنا ہے۔ میں بنے اس لئے کہا کہ اصلی بات ڈاکٹر صاحبان اور کئی حضرات جانتے ہیں۔ ہم ظاہر لوگ تو سنی سنائی بات کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ جسم

کے چار جزو ہیں چار عناصر ہیں کیا کیا ہیں وہ چار عناصر مٹی؟  
 جن سے جسم بنتا ہے وہ اربعہ عناصر کیا ہیں؟ آگ، پانی، مٹی، ہوا  
 لوجی میں بڑھا ہو گیا چار کے نام ہی یاد نہیں اللہ جانے کیا کیا ہیں  
 ان چار سے انسان کا جسم بنا ہے۔ ایک آگ ایک کیا؟ پانی  
 ایک کیا؟ مٹی ایک کیا؟ ہوا یہ چار جب آپ کے باوا  
 آدم بنے تھے وہ بھی انہی چار سے بنے تھے تو فرشتوں نے دیکھ کے کہا تھا  
 کہ یا اللہ یہ پتلا جو ان چار سے بنا ہے ضرور فساد کرے گا کیوں فساد  
 کرے گا؟ کہ یہ ایسے چار اکٹھے ہوئے ہیں جن کا خاندان مختلف، قبیلہ مختلف،  
 نسل الگ، قوم الگ ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے جوڑا  
 چار کب تک اکٹھے رہیں گے بہر فروع ہم ان چار سے مل کر بنے ہیں  
 • اب آپ نے کہا ہے کہ آپ کے جزو چار ہیں مجھے تو یاد نہیں ایک  
 آگ، ایک پانی، ایک مٹی، ایک ہوا مگر جس سے میں پوچھتا ہوں کہ  
 بھئی تم کون ہو کہ جی میں تو خاکی بندہ ہوں کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں ہوائی بندہ ہوں  
 حالانکہ آپ کہتے ہیں کہ ہوا بھی ہے چار سے اندر کوئی نہیں کہتا میں تو  
 جناب آبی بندہ ہوں کسی نے اپنے آپ کو ناری نہیں کہا آج تک ٹرنے  
 کو تو چار اور نام لینے کو ایک بہر فروع ان سے ہمارا جسم بن گیا دوسرا  
 جزو ہے ہمارا نفس اس کے بھی اجزاء ہیں وہ بڑی لمبی تشریح ہے  
 وہ سناؤں تو وقت بڑا لگے گا اس کے بھی اجزاء ہیں وہ بڑی لمبی  
 تشریح ہے اسی طرح رُوح ہے۔ میرے محترم بھائیو جسم کو جسی غذا کی ضرورت  
 ہے، نفس کو جسی غذا کی ضرورت ہے رُوح کو بھی غذا کی ضرورت ہے  
 یہ تینوں چیزیں زندہ رہیں تو جسم زندہ رہتا ہے اگر کوئی انسان رُوح



کو تو بہت غذا دے دے اور جسم کو تباہ کر دے۔ اس نے وں تھر ڈانسٹ  
تباہ کر دی۔ اور اگر کوئی جسم کو پالتا ہے تو یہ بھی غلط۔ ہر چیز کو پالنا چاہیے  
۷۔ اب یہ بتائیے کہ یہ جو موت آتی ہے۔ جو انسان مرتا ہے۔ وہ کیا  
شے ہے؟ کیوں بھی کیا چیز ہے وہ؟ موت کیا ہے؟ یوں تو ابھی موت کیا ہے؟  
آپ اس لئے نہیں بتا رہے کہ جو بتا رہے ہیں انہوں نے ابھی موت کو دیکھا نہیں۔  
جنہوں نے دیکھ لیا وہ آکے بتاتے نہیں۔ اس لئے پتہ ہی نہیں چلتا کہ موت  
کیا ہے۔ ہے ایسی ضروری چیز موت۔ ایسی ضروری چیز۔ کہ جو اللہ کو  
نہیں مانتے۔ وہ موت کو مانتے ہیں۔ اتنی ضروری ہے۔ اور انسان  
کے ساتھ تو ایسی چیٹی ہوئی ہے موت۔ انسان ہی نہیں، ہر شے کے ساتھ۔  
معاف کرنا بھائیو۔ ابھی ہمارے جناب جس صاحب تقریر کر رہے تھے۔  
اللہ جانے وہ مجلس میں ہیں یا پلے گئے۔ اگر وہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ ہم نے  
کیا گناہ کر لیا۔ ہم نے کیا جرم کر لیا۔ اس دنیا میں آنا کوئی ایسا گناہ ہو گیا  
ہم سے کہ چاہے یہاں ایک سانس لو چاہے لاکھ سال کی عمر پاؤ۔ سزا  
موت ضروری ہے۔ حرام ہے کہ اور کوئی سزا ہوتی ہو۔ جیل وغیرہ کی۔  
سیدھی سزا موت ہوتی ہے۔ آئے ہو تو مرنا پڑے گا۔ سمجھے۔  
جانا پڑے گا۔ چاہے مر جاؤ، مرنا پڑے گا۔ لازمی مرنا پڑے گا۔  
خوشی سے نہیں جاؤ گے۔ چار ہندے اٹھا کے لے جائیں گے۔ ہر حال مرنا  
پڑے گا۔ یہ مرنی کی شے ہے۔ جسم جو ہے انسان کا۔ یہ تو ہے ہی  
مرا ہوا۔ یکبھی زندہ ہوتا ہی نہیں۔ یہ جسم جسے کہتے ہیں۔ بعد روح  
جس چیز کا نام ہے۔ وہ ہمیشہ، جب پیدا ہو چکی، وہ زندہ ہے اور زندہ ہی  
رہے گی۔ روح نے مرنا نہیں، جسم نے جینا نہیں۔ پھر مرنی کی شے ہے

اس کی تشریح ہمارے خالق نے کی۔ کہ نہ جسم کو موت ہے نہ روح کو موت ہے۔  
 — روح ہمیشہ زندہ رہے گی۔ جسم میں زندگی ہے ہی نہیں۔ لہذا موت  
 کا سوال ہی نہیں۔ مرنے کیا شے ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ سونو، مرنے کیا  
 شے ہے؛ کل نفس ذائقۃ الموت وہ تیسرا جزو جو نفس ہے وہ موت کو  
 چمکتا ہے۔ مرنے کا وہ بھی نہیں۔ کیا دلیل ہوگی نہیں مرنے والے چمکتا  
 نہیں کرتے۔ موت کو چمکتا ہے وہ۔ نفس موت کو چمکتا ہے۔ مرنے  
 وہ بھی نہیں۔ زندہ رہتا ہے۔ پھر زندہ کس طرح رہتی ہیں یہ چیزیں  
 ان کے زندہ رہنے کے بڑے طریقے ہیں قبہ۔ جسم الگ ہو گیا۔ نفس الگ  
 ہو گیا۔ روح الگ ہو گئی۔ جسم مٹی میں مل گیا۔ نفس ناطقہ عالم برزخ میں  
 چلا گیا اور روح جو تھی وہ کہاں گئی۔ وہ "یاد" بنی۔ فقرہ مرایا رکھنا۔  
 مرنے والے کا جسم مٹی میں گیا۔ نفس عام برزخ میں گیا۔ جسم مٹی میں چلا جاتا  
 ہے۔ اور روح یاد بن کے چاہنے والوں کے دل میں سما جاتی ہے۔ اسے یاد رکھتے  
 ہیں اور وہ یاد رہتا ہے۔ توجہ ہے نا صاحبان۔ یہ روح کی شان ہے۔  
 اور میں اس گفتگو کو منتشر کروں۔ موت و حیات کی گفتگو تو بڑی لمبی، طویل ہے  
 — کہ حضرات محمد و آل محمد جن کے ہم غلام ہیں اور جن کے اوپر ہمارا ایمان  
 ہے۔ جن کی تعلیم کہ ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے موت و حیات  
 کے اقدار و فلسفے ہی بدل دیئے سارے۔ بہر نوع، حضرات محمد و آل محمد  
 نے اس کی شان ہی عجیب بیان کی ہے۔ وہ دو جملے میں حضرات محمد و آل محمد  
 کی شان میں کہہ دوں۔ تو حضرات محمد و آل محمد اپنا تعارف کیا کرتے ہیں؛ کہ  
 کہ محمد فرماتے ہیں۔ کہ میں محمد اور آل محمد ہم سب ایک نور سے

ہیں — کیوں بھٹی یہ سنا ہے کہ نہیں؟ ٹھیک ہے نا؟ کہا ہے نا انہوں نے؟  
تو برابر ہو گئے نا؟ جب ایک نور سے ہیں تو ہو گئے ناسب برابر؟ انہوں نے  
کہا نا؟ ہیں تو ایک ہی نور سے — مگر اتنا اچھا فقرہ کہا — یہ خطاب کیا ہے  
آل محمد کے فرد اعلیٰ، اعلیٰ کو — یا اعلیٰ تو اور میں ایک نور سے ہیں —  
تو اعلیٰ کا سینہ تن گیا ہو گا نایہ سن کے کہ میں جب ایک نور سے ہوں تو برابر ہو  
گیا — سبھی نا جناب — اگلا فقرہ فرمایا — انا شمس و انتک القمر  
نور تو ایک ہی ہے میں شمس ہوں تو قمر ہے — میری بدولت تو روشن ہے  
فرق ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ اب شمس و قمر میں کیا فرق ہے قبلہ؟ رسول شمس  
ہیں، اعلیٰ قمر ہیں — شمس و قمر میں فرق یہ ہے — کیوں بھٹی کبھی آپ نے  
یہ جھگڑا سنا ہے کہ کل شمس نکلا تھا یا نہیں؟ کیوں بھٹی کبھی جھگڑا سنا ہے —  
کیوں بھٹی کل سورج ہوا تھا یا نہیں — سنا ہے؟ نہیں نا؟ سورج میں سب  
متفق رہتے ہیں — چاند کی باری آئی تو اختلاف ہو گیا — ہوتا ہے یا نہیں؟  
اختلاف — بناؤ آج چاند ہوا یا نہیں؟ اختلاف ہوتا ہے یا نہیں — اللہ  
جانے چاند ہوا یا نہیں؟ پھر اختلاف ہوتا کب تک ہے؟ پہلی کو جھگڑا ہوا پتہ نہیں  
آج پہلی ہے یا دوسری؟ دوسری کو جھگڑا ہوا — تیسری کو جھگڑا ہوا — تیسری تک  
جھگڑے کے سب خاموش ہو گئے — کہ بھٹی خاموش رہو — چاند کا فیصلہ چودھویں پہ  
ہو گا — جب چودھواں آئے گا اب پتہ چلے گا کہ تاریخ کیا ہے؟ چودھویں تک  
چاند میں جھگڑا ہوتا ہے — بے یا نہیں ایسا ہی؟ — جہاں چاند ہے وہیں  
کہیں سورج بھی ہے — مگر کبھی آج تک آپ نے سنا کہ بھٹی آج سفر نہ کرنا  
— میاں آج شمس در عقرب ہے — سنا ہے کبھی؟ آج سورج عقرب میں  
ہے — سنا ہے کبھی آپ نے؟ اور قمر در عقرب؟ سنتے ہو یا نہیں؟ عقرب

کیا ہے؟ — کچھ ستارے ہی منحوس — سنا ہے — جب تک سورج  
 رہتا ہے — یہ منحوس نامراد اللہ جانے کہاں چھپے رہتے ہیں — جہاں قمر  
 کا زمانہ آیا عقرب بھی آگیا — کیا ہوا جی، قمر در عقرب ہے — یہ ہوتا ہے  
 قمر در عقرب ہوتا ہے — یہ کتنے دن رہتا ہے قمر در عقرب؟ — کتنے دن؟  
 صرف تین دن — قمر در عقرب صرف تین دن رہتا ہے — جہاں تین دن گزرے  
 — اے لو — قمر در عقرب ختم ہو گیا — یہی قمر در عقرب ہے — چاند پہ —  
 سمجھ میں آ رہا ہے نا صاحبان — اب تمہیں پتے کی ایک اور بات بتا دوں —  
 اُسے بڑے غور سے سنا — اور اس کے بعد میں اپنا بیان ختم کر دوں گا — سورج  
 میں ایک صفت اور ہے — وہ طلوع بھی ہوتا ہے اور غروب بھی ہوتا ہے —  
 یہ صفت ہے یا نہیں شمس کی — غروب بھی ہوتا ہے، طلوع بھی ہوتا ہے — کیوں بھی  
 سورج نکلتا بھی ہے صبح کو اور شام کو غروب بھی ہوتا ہے — ہے یا یہ صفت شمس کی  
 — فرق یہ ہے کہ جب شمس طلوع کرتا ہے تو بند دروازے کھل جاتے ہیں —  
 یہی ہوتا ہے نا، بند دوکانیں کھل جاتی ہیں — کاروبار جاری ہو جاتا ہے —  
 لوگ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں — تمام دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے — شمس  
 کے چمکنے کا زمانہ ہے — اور جب شمس غروب ہوتا ہے — کھلے دروازے بند  
 ہو جاتے ہیں — کاروبار بند ہو جاتے ہیں — جب تک شمس کا وجود ہے اس  
 وقت تک سچوں کا دور ہوتا ہے — جہاں شمس غروب ہو گیا اب چور کی باری  
 آجاتی ہے — یہی شمس کی بات کر رہا ہوں — کوئی اور خیال اپنے دل میں  
 نہ لانا — یہ ہے شمس کی حالت — تو میرے محترم سامعین — شمس کے  
 طلوع سے دنیا کو فائدہ — شمس کے طلوع سے دنیا آباد — شمس کے آباد  
 ہونے سے دنیا میں آبادی — جہاں شمس غروب ہوا ایسا اندھیرا آجاتا ہے کہ میں کیا

موڑ دیں مڑ جائے۔ بدھ پیریں پھر جائے۔ رسالت کی بات ان بچوں کے  
 ہاتھ میں تھی اور یہ کہنا یہ چاہتا ہوں۔ کہ اتنی بڑی رسالتوں کی بائیس سبھی نافرمان  
 کے لئے بچوں کا کھیل تھا۔ یہ بچوں کی شان تھی اس انداز سے پرورش پائی تھی  
 بچوں نے۔ جس طرح پہلے تھے یہ بچے۔ تین چار سال کے ہوئے تو رسولؐ  
 گود میں لے کے بیٹھ گئے۔ بچو۔ عزیز د۔ میں نے تمہیں شہ سے پیار سے  
 پالا ہے۔ بڑی محبت سے پالا ہے۔ جی ماں فیہ۔ آپ نے بڑا پیار  
 کیا ہے۔ اگر میرے دین پر کبھی وقت آگیا تو کیا کرو گے۔ اب بچوں کے  
 تیور دیکھنے کے قابل تھے۔ رسولؐ بھی پروٹھے دیکھ کر۔ بچوں نے کھڑے  
 ہو کر انگڑائی لی۔ تو قبا کے بند ٹوٹ گئے۔ نا ا پرواہ نہ کر۔ گھر ٹکادیں  
 گئے۔ بچے ٹکادیں گے۔ تیرے دین پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ اور اگر  
 ہمارا یقین نہ آئے۔ تو تم خود جنت سے آکر دیکھ لینا۔ مومنین! آج محرم  
 کی آٹھ تاریخ ہے اور رسولؐ جنت سے کربلا آتے ہوئے ہیں۔ اور وہ دیکھ  
 رہے ہیں کہ بچوں نے کیا کرنا ہے۔ آج انہوں نے دیکھا ہے کہ بچوں نے کیا کیا  
 ہے۔ وہ فرمن ادا کر رہے ہیں۔ رسولؐ دیکھ رہے ہیں۔ مگر حسینؑ چاہے  
 کچھ بھی کریں۔ آخر رسولؐ کے نواسے ہیں۔ آخر علیؑ کے بیٹے ہیں۔ آخر فاطمہؑ کے  
 بیٹے ہیں۔ حسینؑ کی بات تو حسینؑ کے ساتھ رہی۔ اگر زینبؑ کا کوئی کمال ہے۔ تو  
 زینبؑ کی بات قبد زینبؑ کے ساتھ ہے۔ کہاں فاطمہؑ کی بیٹی۔ کہاں علیؑ  
 کی بیٹی۔ اس کی شان بھی یہی تھی۔ جو اُس نے کیا۔ میں تو کہتا ہوں حسینؑ ایسا  
 عظیم پارس ہے جو اُس سے چھو گیا۔ اُسے حسینؑ بنا دیا۔ حسینؑ نے شہر حسینؑ  
 بنا دیئے۔ خاندان کی نہ پوجو۔ حسینؑ اور زینبؑ کی نہ پوجو۔ غیروں کو دیکھو  
 اُن کے جذبے کیا تھے۔ انہیں دیکھ دیکھ کے رسولؐ قربان ہو رہے تھے۔ انہیں

امام کی شہادت ہو گئی۔ چار مزدور جنازہ اٹھا کے دجلے کے پل پہ رکھ آئے

صرف چار مزدور۔۔۔۔۔ آج کے دن ایسا جنازہ بھی اٹھا تھا۔۔۔۔۔ سمجھے حضور

والا۔۔۔۔۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ آج ہم چار مزدوروں والے جنازے کا واسطہ  
دے کر اپنی اموات کے لئے دعا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ خداوند اس عزیز جنازے

کے صدقہ میں ہمارے والوں پہ رحم فرما۔۔۔۔۔ ان کے درجات کو عالی کر۔۔۔۔۔

ان کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔۔۔۔۔ ان کو بارہ امام کی خدمت میں  
پہنچا۔۔۔۔۔ یہ امام کی خدمت کرتے رہے ساری عمر۔۔۔۔۔ اور یہ ان کی خدمت میں

پہنچیں گے جن کی خدمت کرتے رہے۔۔۔۔۔ اور مظفر علی شمسی میں چالیس سال سے  
تیرا واقف تھا۔۔۔۔۔ میں نے تجھے خدمت آل محمد کرتے دیکھا آل محمد اپنے خادموں

کو کبھی مایوس نہیں کرتے۔۔۔۔۔ ایک سیکینڈ کا خدمت کرنے والا اگر حضرت تُو  
بن سکتا ہے۔۔۔۔۔ تو چالیس سال کے خادم۔۔۔۔۔ تو خدا جانے کیا بنا دیں اُسے۔

۔۔۔۔۔ یہ تو بہتر جانتے ہیں۔۔۔۔۔ خدا ان کے جواریں جگہ دے۔۔۔۔۔ ان کی خدمت  
میں پہنچائے۔۔۔۔۔ اُدسب مل کے دُعا کریں۔۔۔۔۔ دُعا کا وقت ہے۔۔۔۔۔

یہ شہادت امام کا دن ہے۔۔۔۔۔ سب مل کے پکارو۔۔۔۔۔ یا اللہ، ہم تیرے دربار میں  
تیرے اولیاء کے دربار میں ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ ہم بجکاری حاضر ہیں۔۔۔۔۔

ہمیں یہ بھیک عطا فرما کہ ہمارے سب کے گناہوں کو معاف کر دے۔۔۔۔۔ ہماری اموات  
پہ رحم فرما۔۔۔۔۔ ہمارے جانے والوں کے درجات کو عالی کر۔۔۔۔۔ ہم جو باتی ہیں۔

ہمیں تو فیقات خیر عطا فرما۔۔۔۔۔ ہم میں آپس میں اتحاد و اتفاق عطا فرما۔۔۔۔۔ ہم  
سب ایک دوسرے کے جانثار ہو کے رہیں۔۔۔۔۔ اللہ دین آل محمد کی حمایت فرمائے

اور کلثم دین آل محمد کی حفاظت فرمائے بحق محمد وآل محمد۔۔۔۔۔

ان دعائیہ فیروں اور آپ کے شکر یہ کے بعد میں آپ حضرات سے رخصت ہوا

ہوں۔ اب ایک نعرہ لگاؤ پھر فاتحہ پڑھنا۔ نعرہ بیکر۔ نعرہ رسالت  
 نعرہ حیدری۔ کلمہ ولایت۔ کلمہ ولایت۔ شاباش۔ نعرہ  
 بیکر۔ نعرہ رسالت۔ نعرہ حیدری۔ کلمہ ولایت۔ اسے  
 پکا یاد رکھنا۔ ولایت کا کلمہ ہے۔ جو دیسی کے عادی ہیں وہ ولایت سے  
 مانوس نہیں ہوتے۔ دیسی وہ ہوتی ہے جو خود بنا لیں۔ خود بنانے والوں  
 کو کیا پتہ کہ ولایت میں کیا لطف ہے؟ آپ کلمہ ولایت کو بالکل یاد رکھیں سمجھے  
 ۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ یہ کلمے اس طرح قائم و دائم رہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



(۲۱ جولائی ۱۹۶۶ء تختیاں لیرہ والی نسبت روڈ۔ لاہور)

برموقع چہلم جناب مظفر علی صاحب شمس مرحوم)

# ذکر علیؑ

عنوان

فضائل - ذکر علیؑ عبادت میں

مصائب - و بار کوفہ

یہ محو خطابت سہر و بار ہے زینبؑ  
یا کوفہ کے منبر یہ علیؑ بول رہے ہیں

و سر سبز ای زیدی



# ذکرِ علیؑ عبادت ہے

خداوندِ عالم آپ کی یہ مجلس قبول فرمائے۔ اللہ آپ کا مجلس میں آنا قبول کرے۔ اور میرے انتہائی پیارے عزیزوں نے جو مجلس کی ہے۔ اللہ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ مجھ سے پہلے میرے محترم شہیدِ الحسنین صاحبِ محمدی کہہ رہے تھے کہ۔۔۔

”علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے“ یہ انہوں نے کہا تھا۔ کہ علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے۔ یہ ان کی خاندانی بات ہے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی بات کہی ہے۔ آپ کو پتہ ہے یہ محمدی ہیں۔ حضرت محمد بن ابی بکر کی اولاد ہیں حضرت ابوبکر کے صاحبزادے محمد کی یہ اولاد ہیں۔ ان کے دادا حضرت ابوبکر رادوی ہیں اس روایت کے۔ کہ علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔“ یہی ایک بات کہہ گئے وہ صدیق کہلاتے ہیں۔ یہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اور ان کی تائید و تصدیق ہم کونوں کی امان نے بھی کی ہے کہ بالکل میرے ابا نے ٹھیک کہا ہے واقعی علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے۔ چاہے کسی عالم میں بھی دیکھا جائے۔ ان کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے۔ انہوں نے یہ اپنی خاندانی حدیث پڑھی ہے۔ کہ علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے۔ حضرت ابوبکر کا فرمان ہے یہ۔ علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے علیؑ کا منہ دیکھنا عبادت ہے۔ مگر معاف کرنا یہ منہ دیکھیں بات ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ اس کا چہرہ دیکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اس کا تصور ہی عبادت ہے۔ اس کا خیال ہی عبادت ہے۔ اگر علیؑ کا ذکر کریں وہ بھی عبادت ہے۔

کیا ذکر کرو گے علی کا۔ کیا ذکر کرو گے علی کا۔ جہاں سے شروع کرو۔  
 علی کا ذکر عبادت بن جائے گا۔ کہیں سے شروع کرو علی کا ذکر عبادت بن جائے گا۔  
 میرے کندھے پر دو فرشتے اللہ نے بٹھائے ہوئے ہیں۔ اب یہ پندرہ بیس فرشتے  
 (ٹیپ ریکارڈر) سامنے آکر بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ جو کہ بیڈ ٹوٹ کر لیتے ہیں میں  
 قرایان سے مجلس میں آکے گھر جاتا ہوں۔ ایک طرف یہ حضرات۔ ایک طرف  
 یہ ذات شریف۔ ان سے فدا اور ادھر ادھر منہ کروں پھر معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔  
 کندھے والے۔ یہ میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یہ میرے صحابی ہیں، جہاں جاؤں  
 ساتھ جاتے ہیں۔ یہ میری بات کے راوی ہیں۔ صحابی بھی ہیں میری بات کو دور  
 دور تک پہنچانا بھی انہیں کا کام ہے۔ یہ اگر بگڑ جائیں تو کام بگڑ جائے۔ لہذا  
 ٹھیک رہیں تو کام ٹھیک رہے۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں۔ ہر لمحہ میرے  
 ساتھ ہیں۔ کئی دفعہ میں نے کہا ہے کہ میری طبیعت ذرا خراب ہے تم میری جگہ جا  
 کے پڑھو اور اتنا دیر سے میرے ساتھ رہے ہو۔ میری جگہ نہیں آسکتے۔  
 یہ کہتے ہیں کہ آپ کی جگہ کیسے جاتیں میں تو کہہ اسے پر..... یہ کہہ کر اے کھرا تھی کام نہیں  
 دیتا۔ ایک بازرگ (ٹیپ ریکارڈر) میری جان نہیں چھوڑتے۔ اب کیا  
 کیجئے میں گھر آیا نا۔ بیچ میں۔ تو علی کا ذکر جہاں سے تم شروع کرو۔ کہیں  
 سے ہی تم شروع کرو۔ عبادت بن جائے گا۔ اگر کوئی کہے علی کی پیدائش کا ذکر  
 کرو۔ عبادت بن جائے گا۔ علی کی پیدائش کے ذکر کسی نے کہا۔ یہاں سے  
 ذکر شروع کرو۔ ہاں بھڑا کرو۔ اچھا سمجھی کہاں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں۔  
 بیت اللہ میں۔ کہاں پیدا ہوئے۔ اللہ کے گھر۔ اللہ کا نام آیا نہیں عبادت  
 بنا نہیں۔ اللہ کے گھر پیدا ہوئے؟۔ ہاں یعنی اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ اللہ کے  
 گھر خوشامد کر کے نہیں پیدا ہوئے۔ اللہ کو خوشامد نہیں کی تھی۔ بلکہ زور سے پیدا

ہوئے۔ دیواریں توڑ کے پیدا ہوئے۔ یہ عبادت ہو گئی اور ماں کے ساتھ تین دن  
 اللہ کے گھر رہے۔ فاطمہ بنت اسد کے ساتھ تین دن اللہ کے گھر رہے۔ تین  
 دن کے بعد آپ کے رسول کو حکم ہوا کہ جاؤ جا کے لے آؤ۔ تیسرے دن۔  
 رسول نے کہا کہ قبلہ قرآن تو میرے گھر خود آ۔ کہا وہ اور بات ہے یہ  
 اور بات ہے۔ دیکھو نا! میں آپ کو خط لکھوں تو خط کوڑا کیہ آپ کے گھر تک  
 پہنچا جائے گا یا نہیں۔ اور جو میں خود آ جاؤں۔ تو مجھے لینے جاؤ گے۔ یہ قرآن  
 اس لکھتا تھا۔ اسے پوسٹ میں لے جانا تھا۔ اسے خود لینے جاؤ۔ اب جو  
 رسول پہنچے۔ لینے دروازے پر دروازہ پھر کھلا۔ اور بنت اسد یا ام اسد  
 اسد کی ماں بھی۔ اسد کی بیٹی بھی۔ بچے کو گود میں لے کے آئی۔ رسول  
 نے گود میں لے لیا۔ قصہ مختصر عبادت تہی جا رہی ہے۔ اماں مبارک۔ ماشاء اللہ  
 پڑا سو ہنا پچر ہے۔ ماں نے کہا محمد۔ پچر بچے کا نہیں۔ اس میں جینے والی کوئی  
 بات نہیں۔ تین دن ہو گئے نہ اس نے دودھ پیا۔ نہ اس نے آنکھ کھولی۔  
 نہ یہ رویا۔ تو مجھے گا کیا۔ کیوں اس نے آنکھ نہیں کھولی تھی۔ کہا نہیں۔  
 کہا۔ اے۔ اے۔ اے۔ یہ کھول دی۔ آنکھ کھل گئی اور اب یہ بتاؤ کہ تم نے  
 دودھ کیوں نہیں پیا۔ روئے کیوں نہیں۔ کہا اس میں ضد کی کیا بات ہے۔  
 قبلہ خدا کا گھر تھا کعبہ اس میں ماں تھی اکیلی لے سستی ہو کے رونا کوئی شراقت ہے  
 دودھ نہیں پیا۔ کہا بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ مگر ماں کا دودھ کیوں  
 پیتا۔ آپ نے اللہ سے درخواست دے کر مجھے بطور گواہ بلا یا ہے۔ میں گواہ  
 ہو کے آیا ہوں۔ آپ نے طلبانہ داخل کر دیا ہے تو آیا ہوں آپ ہی مدعی  
 اور میں ہوں گواہ۔ پھر اپنی ماں کا دودھ کیوں پیوں۔ گواہ کا خرچہ خود مدعی  
 کے ذمے ہے۔ رسول نے زبان دی تو اس میں سے دودھ جاری ہوا۔

بقول پنجابیوں کے "روح کے پیا" خوب پیا۔ جب پیٹ بھر گیا۔ چھوٹے چھوٹے  
تھمے تھمے ہونٹوں میں زبان مضبوطی سے پکڑ لی۔ بھٹی چھوڑ دھئی۔ اسی طرح گھڑ تک  
پہنچے۔ رسول کی گود میں علی ہیں۔ گھر دارے سب اٹھے۔ ابی طالب بھی  
ہیں۔ بچے نے آنکھوں آنکھوں میں سب بزرگوں کو گواہ بنایا کہ محمد پیدا ہوتے  
ہی مجھے "زبان" دے چکے ہیں۔ اب اس ذکر سے بھی ہماری عبادت ہو گئی۔  
اب تمام لوگ پوچھنے لگے محمد کو کس شکل کا ہے۔ محمد خاموش۔ آخر گھر کے  
مالک نے "وحی" کے ذریعے بتلایا۔ محمد۔ کبدو۔ ہاتھ۔ یہ اللہ ہے۔ آنکھ  
"عین اللہ ہے۔ زبان۔ لسان اللہ ہے۔ جسم۔ جسد اللہ ہے۔ یہ عجیب  
بات ہے۔ علی کا ہاتھ۔ اللہ کا ہاتھ۔ علی کا چہرہ۔ اللہ کا چہرہ۔ علی کا جسم  
۔ اللہ کا جسم۔ علی کی زبان۔ اللہ کی زبان۔ تو ارباب ذوق کے لئے ایک فقرہ  
کہتا ہوں۔ کہ انگ انگ اجزا کر دو تو اللہ۔ اور اتنے اللہ اٹھے جو جہاں میں تو علی  
۔ عجیب بندہ آگیا۔ جسے آج تک علی دا لے اللہ کہتے ہیں اور اللہ دا لے علی  
پکھتے ہیں۔ سمجھ میں آیا کہ کیوں سمجھ رہے ہیں کہ ایسے کا ذکر عبادت ہے کہ نہیں۔  
تو میں عرض کر رہا تھا۔ علی نے محمد کی زبان سے دودھ پیا۔ جو علی سے پج رہا تھا۔  
وہ بچوں نے "باپ کا مال" سمجھ کے پیا۔ کس کی زبان سے باپ کا مال سمجھ کے بچوں  
نے پیا۔ بچوں کی بات اور تھی علی کی بات اور تھی۔ علی ایک دفعہ دویش رسول پر  
سوار ہوئے اور تم نے کہا سبحان اللہ۔ اور بچوں نے اس کو کھیل کا میدان بنا دیا۔  
جب دیکھو لاندھے پر سوار۔ رسول مسجد میں جا رہے ہیں۔ یہ کندھے پر سوار۔  
مگر وہ پتے پتے تھے ہی اس قابل۔ کہ بچے راکب نہیں اور رسول مرکب بنے۔ اب وہ  
کہیں۔ ہمار چاہیے۔ رسول نے زلفیں پکڑا دیں۔ بیٹا یہ باگ ہے۔ اب بچوں  
کے ہاتھ میں رسول کی زلفیں نہیں تھیں بلکہ باگ تھی اور باگ کے معنی یہ ہیں جدھر

بتاؤں — پورا اندھیر ہوتا ہے — آپ کہیں گے ستارے جو نہیں — ہزاروں ستارے اسی شمس کی روشنی کی بدولت چمکتے ہیں — مگر اس کی پہچان کون کرے کہ ان میں منحوس کتنے اور نیک کتنے — اصلی حیات کا مرکز شمس ہے — اصلی زندگی کا مرکز شمس ہے — اصلی توانائی کا مرکز شمس ہے — یہ طلوع مہرے تو اس کی شان اور ہوتی ہے عزوب ہو جائے تو دنیا میں اندھیرا آجاتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے قبلہ — کبھی کبھی اس کو گرہن بھی لگ جاتا ہے — آپ نے بھی دیکھا ہوگا سورج کو گرہن لگتے ہوئے — ہوتا ہے، مگر گرہن لگ جاتا ہے یہ بھی ہوتا ہے — چنانچہ جب بھی ہمارے کسی امام کی شہادت ہوئی ہے — اس دن سورج کو ضرور گرہن لگا تھا — ضرور لگا تھا — جب بھی شہادت ہوئی ہے — آج حضور امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے — امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے آج صاحبان — آج آپ کے امام کی شہادت کی تاریخ ہے — ہے نا، اور آج آپ شمس کا چہلم بھی کر رہے ہیں — گویا امام کی شہادت بھی ہے اور شمس کا گرہن بھی — ضرور گرہن ہوتا ہے شمس کو امام کی شہادت کے دن۔

میرے عزم بزرگو، بھائیو، عزیزو — میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں یہ کہہ کے آپ حضرات میں سے سینکڑوں ایسے ہونگے — ان سامعین میں — جنہوں نے چند دن پہلے شمس کا جنازہ دیکھا ہوگا — دیکھا تھا نا بھی؟ — کیوں بچو دیکھا تھا؟ کتنے آدمی تھے؟ کوئی گنا تصور اسی تھا — آپ نے ہزاروں آدمی تھے — اتنا بڑا جنازہ تھا یا نہیں؟ جنازہ دیکھا تھا نا؟ اور اس جنازے کے مقابلے میں آپ یہ جنازہ بھی دیکھ لیں ذرا کہ آپ کا امام قید خانے میں زہرے شہید ہو گیا — گھر میں نہیں — بال بچوں میں نہیں — قید خانے میں — جب

دیکھ کے رسولؐ فدا ہو رہے تھے۔ میرے بھائیو! میرے عزیزو! حسین کے  
 ساتھ غیر بھی تھے نا، ایک صحابی شہید ہو گیا۔ جنادہ۔ اس کا نام تھا۔  
 حسین لاشے پہ گئے اٹھا کے گینچ شہیداں میں رکھا۔ خیمے کی طرف جو دیکھا تو  
 خیمے کا پردہ اٹھا ایک نو دس سال کا بچہ دوڑتا ہوا نکلا۔ حسین نے آواز دی۔  
 آلِ محمدؐ! اس بچے کو روکو۔ یہ میدان میں کہاں آ رہا ہے۔ اتنے میں وہ چرمیان  
 کے قریب آ گیا۔ کمرے تلوار بندھی ہوئی۔ بچہ چھوڑتا تھا۔ تلوار تھی بڑی وہ  
 گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی۔ حسین نے بڑھ کے بچے کو گود میں اٹھایا۔ کہاں جا رہے  
 ہو۔ قتلہ مرنے جا رہا ہوں۔ میں دشمنوں سے لڑوں گا۔ میرے بیٹے تم کس  
 کے بیٹے ہو؟ مولا! اسی جنادہ کا جو ابھی مرا ہے۔ تمہارا باپ مرا ہے۔ تو یتیم  
 ہوا ہے۔ اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھ۔ تو بچہ کہتا ہے۔ یہ کمراتاں نے باندھی  
 ہے۔ یہ تلوار مرکا اتاں نے خود باندھی ہے۔ میری اماں نے کہا ہے۔ بیٹا جا  
 کر مر جاؤ۔ یہ سن کر قربان ہو گئے حسین۔ یہ خیروں کے عزائم تھے۔  
 قتلہ میں نے تمہیں ہر مجلس میں حسین کے دوستوں کی ادائیں سنائی ہیں۔ یہ خیروں  
 کی ادائیں تھیں اگر مناسب سمجھو تو بات کہ دوں۔ اپنوں کی۔ آلِ محمدؐ اُڑ پڑ  
 گئے۔ سب کچھ لٹ گیا۔ خیر۔ میرے نوجوانو۔ آج آلِ محمدؐ بے سہارا  
 ہیں۔ جو لوگ حسین کے خاندان کے نہ تھے۔ مگر حسین کے پاس کہ حسین بن گئے  
 ۔ خدا گراہ ہے کمال کر دکھایا ہے۔ کہو اکبر کی ماں۔ سیدیانی تو نہیں تھی  
 مگر ایمان سے کمال کر دیا۔ حد کر دی۔ اکبر کی لاش آئی ہوئی ہے۔ اور حسین  
 کہتے ہیں۔ اس کی ماں کو بلاؤ۔ اپنے بچے کی لاش پر آئے تو پہلے جواب یہ ملا۔  
 کہ قتلہ نماز پڑھ رہی ہے۔ اماں نے پوچھا۔ ییل کیا نماز پڑھ رہی ہے۔ کہا  
 مولا! شکرانے کی نماز پڑھ رہی تھی۔ میری کمائی نیک راہ میں لٹ گئی۔ آبیلی

اپنے بیٹے کی لاش کو اگر دیکھ۔ پانچ منٹ گزر گئے۔ خیمے سے سیلی نہیں آئی۔  
 اب جو گئے نا، دیکھئے۔ دیکھا کہ سیلی خیمے میں گھوم رہی ہے۔ زینب  
 نے آواز دی۔ اکبر کی ماں۔ باہر آؤ۔ کہا حسین کی بہن مجھے خیمے کا دروازہ نظر  
 نہیں آ رہا ہے مجھے در نظر نہیں آتا۔ ہاتھ پکڑ کے لائے۔ قائم کی ماں تو سیدانی  
 نہیں تھی۔ یہ غیروں کا کمال تھا۔ دو چار فقرے سن لو۔ میرے جوان بیٹو!۔  
 میں تمہیں رونا نہیں دیکھ سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت خوش رہو۔ مگر معاف  
 کرنا۔ میری کہانی ہی ایسی ہے۔ اس لئے میں تمہیں جان کے نہیں رلاتا۔ رباب  
 بھی اسی گھر میں ہے۔ غیر خاندان کی ہے نا! یمن کے رئیس کی بیٹی ہے سیدانی  
 نہیں ہے۔ غیر خاندان کی ہے۔ ساری شہادتوں کے بعد حسین خیمے میں آئے  
 بہن زینب میری ساری قربانیاں قبول ہو گئیں۔ کسی کے بدلے دنیہ نہیں آیا۔  
 اب میں چاہتا ہوں کہ کوئی نذرانہ پیش کروں۔ اللہ کے سامنے۔ کوئی نذرانہ پیش  
 کرنے کے لئے کوئی شے ہے۔ زینب نے کہا۔ کہ میرے پاس تو دو "ہیرے"  
 مجھے ختم ہو گئے۔ سیلی نے کہا۔ میرا تو اٹھارہ سال کا شب چراغ تھا۔ گل ہو گیا۔  
 فردہ نے کہا کہ میرا واحد سہارا قائم تھا۔ وہ بھی "تقسیم" ہو گیا۔ ہم سب  
 خالی ہاتھ میں۔ ایک کونے میں سے رباب کی آواز آئی۔ حسین! ذرا سی نیلم  
 کی گئی میرے پاس ہے۔ ایک نیلم کا گنینہ ہے میرے پاس اگر تیرے کام لائے  
 تو ان سے لے لے۔ کہا رباب اسے لے جاؤں۔ کہا لے جاؤ۔ جہاں جہاں صاحبان  
 ہو میری بات سنو۔ حسین چلے آئے۔ آگے آگے حسین پیچھے پیچھے رباب۔  
 جب خیمے کے دروازے پہ پہنچے۔ رباب نے کہا۔ مولاً ذرا ٹھہرنا۔ ذرا یہ بچہ  
 مجھے گود میں دینا۔ رباب نے دو منٹ گود میں لیا۔ اور اصرار کی بہن، سیکھنے کو  
 ساتھ لیا۔ دونوں کو لے کر خیمے میں آگئی وہاں جہاں زینب تھیں۔ حسین و زینب

کو دیکھ کر کہا۔ سن حسین۔ سن زینب۔ تم فاطمہ کے بیٹے بیٹی ہو۔ میں  
 غیر خاندان کی ہوں۔ تمہارے گھرانے میں آئی تو فاطمہ کی بہو کہلائی۔ تم نے  
 مجھے بڑی عزت بخشی۔ تمہارے گھرانے سے مجھے یہ دہل ملے۔ ایک سیکڑے  
 ایک اصغر۔ میں تھوڑی دیر میں لاوارث ہوں گی۔ نہ بیکے ہوں گے دس سال  
 ۔ میں تمہاری امانت سنبھال نہیں سکتی۔ لہذا یہ تمہارے سپرد۔ یہ کہہ کر سکیٹہ کو  
 بٹھا دیا زینب کی گود میں۔ اصغر کو دے دیا حسین کی گود میں۔ زینب تو جانے  
 اور سیکڑے جانے۔ حسین تو جانے اور اصغر جانے۔ دونوں کو سپرد کر دیا۔ حسین  
 اصغر کو لے گئے۔ سیکڑے کو زینب نے گھٹی۔ سیکڑے وہاں کیا گذری۔ اُس پر کیا  
 گزر گئی۔ اگر بہت ہے تو سن لو دو چار لفظ۔ کیوں بھئی نوجوانو!۔  
 تم میں ہے بہت اس فقہ کو سننے کی۔ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں میں تو پڑھ لیتا ہوں  
 ۔ جوانوں کے خون میں گرمی ہوتی ہے۔ حیدرآباد (سندھ) میں میں نے سکیٹہ  
 کی شہادت پڑھی تھی کئی نوجوانوں نے چاقو مار لئے تھے۔ بچو! بھائیو!۔  
 سیکڑے۔ زینب کے ساتھ اور تیرہ عزم ہے۔ اور ابن زیاد کے دربار میں کھڑی  
 ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا۔ کہ یہ بچی کون ہے۔ بتایا گیا۔ کہ یہ حسین کی بیٹی ہے۔  
 حسین سے اسے بڑا پیار ہے۔ کہنے لگا بچی آگے آؤ۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا  
 ہوں۔ بچی نے بھائی کو دیکھا۔ پھوپھی کو دیکھا۔ نامحرم سے بات کی اجازت  
 ہے۔ پھوپھی نے بھائی نے اجازت دی۔ بچی نے بات کی۔ سزگے بھائی  
 ۔ بات اس طرح کی کہ لب ہل رہے تھے آواز نہیں آرہی تھی۔ بڑی دیر تک سب  
 بچے رہے آواز نہیں آئی۔ ابن زیاد کہتا ہے کہ مجھے آواز نہیں آتی۔ تو امام زین العابدین  
 نے فرمایا۔ کہ بچی تو بول رہی ہے مگر اس کا کلا اتنا مضبوط بندھا ہوا ہے کہ اس کی  
 آواز نہیں نکل رہی۔ اس کا کلا کھلوا یا گیا۔ پانچ منٹ تک بھی گلے کو سہلاتی



رہی۔ جب حواس ٹھیک ہوئے تو ابن زیاد نے پوچھا۔ کہ تیرا نام کیا۔  
 کہا حافظہ نام ہے مگر باپ مجھے پیار سے سکینہ کہتے تھے۔ بچی اگر اس وقت  
 حسین زندہ ہوتے تو مجھے کیا بھلاتے۔ بچی نے کہا کہ بابا مجھے تازہ خرے کھلایا  
 کرتے تھے۔ سونگے ناہیرے بجائیو! اجازت ہے کہ دونوں لفظ۔ اجازت  
 ہے۔ اجازت ہو تو بتا دوں۔ وہ بے حیاضیت کہتا ہے۔ بچی۔ میں نے  
 تازہ خرے منگائے ہیں کھائے گی۔ اس پر بچی نے مجال کو بچھوٹی کو دیکھا  
 ۔ اشارہ کیا۔ کہہ دو۔ ہاں۔ کہا لے آؤ۔ بچی کے آگے طشت  
 لایا گیا۔ رومال اٹھایا گیا۔ کوزہ میں زلزلہ آگیا۔ بچی لمبے بابا کہہ کے  
 گر پڑی۔ ابھی بات ختم نہیں۔ سکینہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمہارا خاندان معجز  
 ہے۔ میں تو تب جانوں کہ حسین کا سر خود تیری گود میں آئے۔ یہ سنا تھا کہ جو ش  
 آگیا۔ جلال آگیا۔ حیدر کی پوتی کو۔ سر کو چھوڑ کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور  
 پچھا ہوا کرتے پھیلا دیا۔ بابا جان۔ میری محبت کا واسطہ۔ بچھوٹی زینب  
 کی قید کا واسطہ۔ بابا میری عزت کا سوال ہے۔ مجھے دربار میں شرمندہ نہ کرنا۔  
 حسین کا سر اڑ کر سکینہ کی گود میں آگیا۔ کوزہ کے بام در لرز گئے۔ زلزلہ  
 آگیا۔ آج کی مجلس کو میں اپنی طرف سے آپ کی طرف سے بائیان مجلس کی طرف  
 سے حضرت سکینہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شہزادی ہماری حاضر کی قبول فرما  
 شہزادی ہم کہ بلائیں ہوتے تو تجھے قید نہ ہوتے دیتے۔ در بدر نہ ہونے دیتے۔  
 اپنے باپ اور دادل سے ہماری سفارش کرنا کہ خدا ان گھروں کو آباد رکھے۔ جن میں  
 سادات کے اُجڑے گھروں کا ماتم ہوتا ہے۔ خدام سب کو سلامت رکھے۔ بحق  
 مُحَمَّدٌ وَآلِ مُحَمَّدٍ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

# اضافہ شکرہ

اضافہ شکرہ

دربار شام

فضائل

مصائب

باطل کو کھینے کے لئے شام کی جانب  
زینب نہیں شبیر کی تحریک چلی ہے

افسوس بھائی

چونکہ میں بوجہ اپنی بیماری اور کمزوری کے مختصر وقت میں پڑھتا ہوں۔ زیادہ لمبی تقریر اب مجھ سے نہیں ہوتی۔ کسی زمانے میں دو اڑھائی گھنٹے پڑھ کے مجھے پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ اب دس پندرہ منٹ کے بعد تھک جاتا ہوں۔ تو اگر ایسا مضمون شروع کروں جو تھوڑے وقت میں پورا نہ ہو سکے تو پھر سامعین بھی بے لطف و بے حظ ہوتے ہیں اور مجھے بھی کوئی لطف نہیں آتا۔ اب میں کوشش کرتا ہوں اس بات کی کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو تھوڑے وقت میں پوری ہو سکے۔ تو بزرگانِ من۔ ایک بڑا پرانا مضمون تھا جو میں کبھی پڑھا کرتا تھا۔ ابھی جب میں یہاں آیا تو ذکرِ صاحبِ پڑھ رہے تھے۔ مجھے وہ بات یاد آگئی۔ پہلے وہ میرے ذہن سے نکل چکی تھی۔ وہ ابھی مجھے یاد آگئی ہے۔ وہی میں شروع کر رہا ہوں۔ وہ مضمون ایسا ہے اسے جہاں تقم کو دو وہیں ختم ہے۔ جہاں شروع کر دو وہیں شروع ہے۔ وہ اس طرح کا ہے۔ آپ میری بات کو غور سے سنیں۔ اور میں آپ کو وہ سناتا ہوں۔

اس مضمون کی جو میں ک شروع کر رہا ہوں۔ جو تمہید ہے وہ شروع ہوتی ہے انسان سے۔ کہ انسان کے اندر انسان کے پیدا کر نیوالے نے کتنی طاقتیں، قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں۔ گویا اس چیز سے شروع ہوتا ہے یہ مضمون کہ انسان میں خود کتنی صلاحیتیں، کتنی طاقتیں، کتنی قوتیں اور کتنے کام کرنے کے جذبے، خود انسان کے اندر، انسان کے خالق نے رکھے ہیں۔ اور پڑھے لکھے حضرات میں یہاں ایک لفظ کہہ کے آگے بڑھتا ہوں کہ انسان کے اندر ودیعت کردہ صلاحیتیں اور طاقتیں جن کا انسان کو خود علم نہیں کہ مجھ میں کتنی طاقتیں ہیں، ان ساری انسانی طاقتوں کے

عمل اور موقع کے مطابق عمل میں لانے کا نام اسلام ہے۔ صحیحے۔ اسلام انسان کی کسی طاقت کو معطل نہیں کرتا۔ بلکہ انسان کی طاقتوں کو صحیح طریقے سے استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے۔ اسلام، طاقتوں کے تعطل کا نام نہیں۔ وہ طاقتیں جو انسان کے اندر ہیں انہیں صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام۔ گھبرا تو نہیں ہے۔ یہ ذرا خشک ہو گیا ہے نامعلوم۔ آپ گھبراہٹ نہیں۔ تو میرے محترم سامعین ایک بات اور بھی کہتا ہوں آپ سے۔ یہ علم لغت کی بات ہے۔ زبان کی۔ آپ میری پہلی بات سن لی ہے جو اب تک میں نے کہی ہے۔ انسان کے اندر بے شمار طاقتیں اور قوتیں انسان کے خالق نے ودیعت کر دی ہیں۔ اتنی طاقتیں ہیں انسان میں کہ انسان ان طاقتوں کو گن ہی نہیں سکتا۔ اور ان تمام طاقتوں کو جو خالق نے انسان میں رکھی ہیں صحیح طور پر استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے۔ توجہ فرمائی نا آپ نے۔ کسی طاقت کو معطل کرنا اسلام نہیں۔ ان طاقتوں کو صحیح استعمال کرنے کا نام اسلام ہے۔ اسے میں علم لغت یعنی زبان کے اعتبار سے ایک بات آپ سے عرض کرتا ہوں کہ عربی زبان میں طاقت کے کمال کو کہتے ہیں ملکہ۔ سنا ہے فلاں شخص کو اس کام میں ملکہ حاصل ہے۔ ملکہ کے معنی یہ ہیں کہ پوری طاقت حاصل ہے۔ تو عربی زبان میں ملکہ کا لفظ طاقت کے عروج کو کہتے ہیں۔ خوب۔ میری بات پر غور کیا آپ نے اسی ملکہ کو آپ مد نظر رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو کُل ملائک کو حکم دیا کہ اس کے تابع ہو جاؤ۔ دنیا کی جتنی قوتیں اور نورسزمتیں ان سب کو حکم ہوا کہ تم انسان کے تابع ہو جاؤ۔ تمام طاقتیں ان کے تابع ہو گئیں۔ صرف ایک نفس انسانی کی طاقت تھی جو شیطان بن کے باغی ہو گئی۔ سمجھے نا حضور!۔ اور جو اس طاقت پر بھی غالب ہو جائے۔ اپنے نفس انسانی کی طاقت پر۔ باقی طاقتوں پر غالب ہونے والا غالب کہلاتا ہے اور جو اپنے نفس

کی طاقت پر غالب ہو جائے وہ غالب علیٰ کل غالب کہلاتا ہے۔ جو اپنے اوپر بھی غالب ہو جائے۔ بہر نفع تمام طاقتوں کا منبع و مرکز ہے یہ انسان۔ ان طاقتوں کو صحیح استعمال کرنا یہ ہے اسلام۔

اس تمہید کے بعد میں رُخ بدل کے آپ سے آسان طریقے سے بات کروں۔ جہاں ادر ہزاروں طاقتیں انسان میں ہیں۔ وہاں یہ بھی ایک طاقت ہے انسان میں۔ وہ کسی حد پر جا کر رُکنا پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی ایک طاقت ہے۔ کسی حد پر پہنچ کر بھی وہ رُکنا پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی انسان میں ایک طاقت ہے۔ سمجھے نا حضور۔ یہ نہ سمجھیں کہ انسان چاند پر جا کر رُک جائے گا۔ وہاں سے کوشش کرے گا کہیں ادر جانے کی۔ یہ کسی حد پر بھی رُکنا پسند نہ کرنا۔ کسی حد پر جا کر نہ رُکنا یہ بھی انسان کی ایک طاقت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔ توجہ ہے نا میرے محترم سامعین۔ مثال کے طور پر جو کبھی میں آپ کو سمجھایا کرتا تھا۔ ادر اب سمجھاتا ہوں۔ ایک بچہ مجھے کہتا ہے زیدی صاحب مجھے نوکر کرادو۔ کتنی نوکری چاہئے بیٹا۔ کہ میری دس بیس پچاس روپے کی لی جائے گزارہ ہو جائے گا۔ آپ نے اسے سو روپے کی نوکری دلا دی۔ اس سے پوچھو جہاں بس۔ جی ناں۔ آں۔۔۔ سو سو روپے ہو جائیں۔ اچھا اس کے ڈیڑھ سو ہو گئے۔ کہ بھئی بس۔ کہ۔۔۔ آں۔۔۔ جناب دو سو روپے ہو جائیں۔ اس کے آپ نے ہزار روپے ماہوار کر دیئے۔ کہ بس؟ کہ آں۔۔۔ آں۔۔۔ دو ہزار۔۔۔ کیا مجال جو کسی جگہ رُکنا ہو انسان۔ یہ طاقت انسان میں ہے یا نہیں سمجھتی ہے۔ سمجھ میں آ رہی ہے نا بات؟ شاہ اش۔ تو میرے محترم سامعین اسے تم پچاس ہزار روپے ماہوار کرنے دو۔ کہ بس؟ کہ ابھی کچھ ادر۔ اسے آپ ایک صلح دے دیں سالم، کہ بس۔؟ ابھی ادر۔ کیا مجال جو اس کی ابھی ادر ختم ہو جائے۔ یہ انسان میں طاقت ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے اس چیز کو ذہن میں رکھا۔ بڑا اچھا عنوان ہے تقریر کا۔ اگر ذہن میں

رہا تو۔ کہ ابھی اور، کی طاقت ہر انسان میں موجود ہے۔ آپ، مجھ میں، سب میں  
 یہ ہے۔ ایں... ایں... ابھی اور... کہیں بھی پہنچ کے ایں ایں ابھی اور۔ اکثر  
 میں یہ کہا کرتا تھا اور اب بھی یہ کہتا ہوں کہ اس ابھی اور جذبے نے انسان کو بڑھا  
 بڑھا کے خدا بنا دیا۔ انسان جو خدا بن گیا نام یہ ابھی اور میں تھا۔ سردار بنا۔ ابھی اور  
 بڑا سردار بنا، ابھی اور۔ بادشاہ بنا، ابھی اور۔ شہنشاہ بنا، ابھی اور۔ ملک آگئے،  
 ابھی اور۔ ایں ایں خدا بن گیا اب خدا بن کے اس نے بس نہیں کی۔ یہ سوچ رہا تھا۔  
 کہ اب کیا بنوں کہ موت آگئی۔ اگر موت نہ آئی تو یہ کچھ اور بنتا۔ یہ موت نے آکے  
 روک دیا۔ ورنہ خدا بن کے سوچ رہا تھا کہ ابھی وہ اور کیا بنے۔ آپ یقین فرمائیں  
 یہ خدا بننے والے پاگل نہیں تھے۔ احمق نہیں تھے۔ پتہ تھا انہیں کہ خدا نہیں ہیں۔ یہ  
 ان میں ابھی اور کا جذبہ تھا۔ جو انہیں خدا بنوا رہا تھا۔ ورنہ وہ کوئی احمق یا پاگل  
 حقوڑے تھے۔ جانتے تھے کہ ہم خدا نہیں ہیں۔ مگر اس ابھی اور، والے جذبے نے بڑا  
 دیا۔ اور ایک چیز نے اس کے سمندر نازک پر ہمیں کدوی کہ پاس بیٹھے والے جو تھے،  
 انہوں نے کہا کہ حضور بجا۔ اس نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ دو چیزیں انسان کا دماغ  
 خراب کرتی ہیں۔ ایک اس کا جذبہ "ابھی اور ایک پاس بیٹھے والوں کا کہنا کہ حضور باطل  
 ہے۔ حضور باطل بجا ہے۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ گویا اب بے جا جاسے پاس ہے ہی نہیں۔  
 جو بگ دباؤ بجا ہے۔ یہ پاس بیٹھے والے بتا دیتے ہیں۔ بیچارے نروڈ نے، بیچارے فرعون  
 نے ہزاروں دفعہ کہا کہ بابا ہم نہیں بیٹھے خدا، ہم خدا نہیں ہیں۔ مگر پاس بیٹھے والوں  
 نے کہا کہ نہیں نہیں بننا پڑے گا۔ بن گئے۔ بنا جو دیا۔ ان میں اور کا جذبہ تو تھا  
 ہی۔ لوگوں نے بنا دیا۔ بن گئے۔ شروع شروع میں تو انکار کرتے تھے۔ پھر بن گئے۔  
 یہ انسان کا جذبہ ہے۔ تو ہر انسان میں "ابھی اور کا جذبہ موجود ہے۔ آپ میں ہے نا ابھی  
 اور... کا جذبہ؟ ہیں؟ ہے؟ آپ لوگوں میں ابھی اور کا جذبہ ہے۔؟

یہ انسان کی عادت ہے جو کثرت استعمال سے فطرت بن جاتی ہے۔ یہ انسان کی فطرت نہیں عادت ہے۔ تو اس کی توجیہات علماء نے بہت کی ہیں کہ یہ انسان کی ابھی اور کی عادت کیوں ہے؟ تو اس کی ایک سیدھی سی بات میں آپ کو بتا دوں۔ انسان میں جو ہوتی ہے ابھی اور کی اس ہوس کا مرکز ہے انسان کا دماغ۔ دل میں ہوس نہیں ہوتی، دماغ میں ہوتی ہوتی ہے۔ دماغ انسان کے سر میں ہے۔ اور انسان کا سر پیلے کی شکل کا۔ یہ پیالہ ہے اٹا۔ دیکھو نا، اٹا پیالہ ہے یا نہیں؟ اور اٹے پیالے میں چاہے تم سمندر بھر دو، یہ خالی رہے گا۔ اس نے ابھی اور چھوٹا ہے۔ جب تیر میں جائیگا۔ کیڑے کھائیں گے، اٹا پیالہ سیدھا ہوگا۔ تب اگر اور نہ کہے تو نہ کہے۔ یہاں تو کہتا ہی رہے گا۔ جب پیٹک یہ پیالہ اٹا ہے۔ انسان کا یہ جذبہ ابھی اور رہے گا۔ اور یاد رکھو، جتنی جنگیں جتنی لڑائیاں، جتنی مقدسے بازیاں، جتنے فساد، جتنے جنگڑے دنیا میں ہونے ہیں۔ ان سب کا اگر آپ کھوٹ لگائیں تو نتیجہ یہی ابھی اور کا ہی نکلے گا۔ یہ سارا جذبہ ابھی اور ہے جو انسان کو لڑائیوں، جنگڑوں اور فساد پہ آمادہ کر دیتا ہے۔ یہ جذبہ ہے ابھی اور کا۔ اب میں دوسری طرف رخ بدلتا ہوں اس بات کا۔

میرے محترم سامعین! جس خدا نے ہمارے اندر ابھی اور کا جذبہ پیدا کیا ہے اور جس خدا نے ہمیں فتنہ و فساد سے منع کیا ہے۔ ایک طرف ابھی اور پیدا کر دیا۔ ایک طرف کہہ دیا، خبردار فساد نہ کرنا۔ سمندر میں چھینک کے کہنا کہ دامن تر نہ ہو یہ بتاؤ۔ ہمارا سخت امتحان ہے کہ نہیں؟ ہم اسی خدا سے پوچھتے ہیں کہ ایسی کوئی تدبیر تیار کہ ہمارا ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے۔ اور دنیا میں فساد بھی نہ ہو۔ سمجھ میں آ رہا ہے نا صاحبان! کے جی۔ اسے میں نے مختصر کیا ہے، بات کو۔ اللہ نے کہا، تو بتانا ہوں میں تمہیں طریقہ جس سے تمہارا ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے۔ اور فساد بھی نہ ہو۔ آپ گھبرانے تو نہیں اس بات پہ۔ میں نے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ دس بیس آدمی میری بات بڑی غور سے

سن رہے ہیں۔۔۔ باقیوں کا مجھے پتہ نہیں۔ ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فرا  
 بھی نہ ہو۔ اور کا طریقہ اللہ نے یہ بتایا کہ سو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اگر تمہیں میرے وعدے  
 پر یقین ہو۔ پتہ نہیں اللہ کے وعدے پر لوگوں کو یقین ہے کہ نہیں۔ یہ مجھے پتہ نہیں  
 ۔ کیوں بھی آپ کو یقین ہے؟ میں؟ اللہ کے وعدے پر یقین ہے؟ پتہ نہیں ہے یا نہیں  
 ۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں سوچ کے مجھے جواب دو۔ اللہ کے وعدے پر یقین ہے؟  
 میں؟ ویسے ہی نہ کہہ دینا سچ سچ بتانا۔ ہے یا یقین اللہ کے وعدے پر۔ یقین ہے  
 تو وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اللہ۔ کہ اگر تم ابھی اور کا جذبہ پورا کرنا چاہتے ہو۔ تو میں  
 تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ۔ "لان شکرتکم لا یدیکم"۔ اگر ایک نعمت کے ملنے  
 پر تم شکر ادا کرو گے میں اللہ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں اور انساہ کر دینگا۔  
 تمہارے جذبہ ابھی اور کا میرا ذمہ رہا۔ اور چونکہ انساہ میرے ذمہ ہے، میری عطا اللہ  
 ہے۔ تمہارا ابھی اور تک۔ جا بیگا میری عطا نہیں تھکے گی۔ میرے ذمہ ڈالو اس بات  
 کو۔ میں نہیں عطا کر دینگا۔ تمہارا اور کا جذبہ میں پورا کر دینگا، نعمت کا شکر تم ادا  
 کر دو۔ ابھی اور، میں تمہیں دیتا رہوں گا۔ تو جو ہے ناصاجان، قبلہ بڑے اختصار  
 کے ساتھ چلنا پڑ رہا ہے۔ بات بھی ہو جانے اور میں تھک بھی گیا ہوں۔ اب مثلاً  
 اس نے نعمت دی ہے ہمیں آنکھوں کی۔ اس کا شکر ادا کرو۔ اس کا شکر یہ نہیں ہے  
 کہ آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔ یہ لفظوں کے شکر سے اللہ مطمئن  
 نہیں ہوتا۔ شکر کے معنی میں اس کی ہر دی ہوئی طاقت کو اسی طرح استعمال کرو جس طرح  
 وہ چاہتا ہے۔ بس یہ ہے اس کا شکر۔ آنکھوں سے دیکھو۔ لازماً دیکھو۔  
 ضرور دیکھو۔ انہیں بند نہ کرنا۔ یہ بند کرنا تو کفرانِ نعمت ہے۔ آنکھیں بند  
 کر کے کوئی بیٹھا رہے۔ مگر وہاں دیکھو جہاں وہ چاہتا ہے۔ وہاں مت دیکھو جہاں  
 وہ نہیں چاہتا۔ ابھی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ کے وعدے پر یقین ہے۔



آپ اپنی آنکھوں سے وہ تو نہیں دیکھتے جہاں وہ چاہتا ہے کہ نہ دیکھو — یہ کفرانِ نعمت  
 ہو جائے گا — آپ کے شہر میں نہیں — تو یہ تو یہ تو مسلمانوں کی ہستی ہے — لاہور  
 جیسے شہروں میں جاکے دیکھیں قطاریں لگی ہوئی ہیں دیکھنے کے لئے — سڑک پر ٹریفک  
 رکا ہوا ہے — قطاریں لگی ہوئی ہیں — دیکھنے کے لئے — قطار رکبوں لگی ہوئی ہے،  
 کہ ہم نے ٹکٹ لینا ہے دیکھنے کے لئے — یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جنتِ کالمٹ تک رہا  
 ہے — ٹوٹے پڑے ہیں ایک دوسرے کے اوپر دیکھنے کیلئے — سارا دن کا خانہ  
 میں مزدوری کی پانچ روپے کما کے لائے — تین روپے کالمٹ لے لیا، ایک روپے  
 کی سگریٹ پی لی — وہاں دیکھنے کے لئے — آٹھ آنے کا کچھ کھایا وہاں دیکھنے کے  
 لئے — تین چار آنے کے گھر آئے — بیوی بچوں نے کھانے کے لئے مانگا —  
 وہاں ہیں نہیں پیسے — وہ تو خرچ کر آئے تھے — صبح کو جلوس نکال لیا زندہ باد مردہ باد  
 برکت نہیں — ہائے اذکیونٹ ہو جاؤ — اللہ کو بھول جاؤ — برکت نہیں رہی  
 — برکت کا رونا رونے والو — کبھی اپنی حرکت بھی دیکھی — کمانی کے پیسے تو وہاں ضائع  
 کر آئے — یہاں یہ کر لیا — اللہ نے کب منع کیا ہے دیکھنے کو ضرور دیکھو — گردہ  
 دیکھو جو وہ چاہتا ہے — وہ مت دیکھو جو وہ نہیں چاہتا — بزرگانِ من! پیروں سے  
 چلو — سپر چلنے کے لئے ہیں ضرور چلو — کون کتاب ہے کہ نہ چلی — ادھر چلو جدھر  
 چلانا چاہتا ہے — اگر تم پیروں سے پورا کام لو — دوڑو، بھاگو — بلند یوں پہ  
 چڑھ جاؤ، پہاڑوں پہ چڑھ جاؤ — اگر ہماری مرضی کے خلاف ہو تو ہم کیا کریں —  
 چلو ادھر جدھر ہم چلانا چاہتے ہیں — سبھے — ہاتھوں سے ضرور کام لو، انہیں معطل  
 نہ کر دو — یہ خدا کی نعمت ہے — اسے باندھو کے رکھنا کفرانِ نعمت ہے — ان سے  
 کام لو، ہاتھوں سے — یہ تمہارے کام کے لئے پیدا کئے ہیں — اللہ نے تمہیں ہاتھ  
 دیئے ہیں انہیں معطل نہ کر دو — انہیں خراب نہ کرو — وہ کام کرو جو اللہ چاہتا

ہے۔ در نہ یہ زبان بڑی نمراد شے ہے قہر۔ سبھے۔ اس کی بڑی احتیاط رکھنا۔  
 سارے اعضاء میں سب سے زیادہ خطرناک شے ہے۔ زبان۔ اس لئے اللہ نے  
 اسے حوالات میں بند رکھا۔ دانتوں کا پیرا سامنے کھڑا کیا۔ حضور۔ ہونٹوں کے  
 پھانک لگائے۔ دھن کے قفل میں بند کیا۔ کہیں بے موقع گھر سے نہ نکل آئے  
 در نہ فساد ہوگا۔ یہ گھر کے اندر رہے۔ اگر یہ کہیں گھر سے نکل آئی بے موقع تو  
 جنگ ہوگی فساد ہوگا۔ لڑائی ہوگی۔ جو گھر میں رہنے کے لئے ہے وہ گھر ہی میں ہے  
 تو ٹھیک ہے۔ اللہ یہی چاہتا ہے۔ زبان کی پوری احتیاط رکھنا۔ در نہ کیا فائدہ  
 فساد ہوگا خواہ مخواہ کے لئے۔ ہے ناما جان۔ ہمارے یو۔ پی میں عداورہ تھا۔  
 ہمارے دیہات میں۔ کہ آدمی کا سر اٹھ کے صبح آدمی کی زبان سے کہتا ہے ہاتھ جوڑو  
 کے کہ دیکھنا زبان تو تو بول کے اندر چلی جائے گی میری شناخت آئے گی ذرا خیال رکھنا  
 ۔ یہ بات ہے حضور۔ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے زبان اسے ضرور استعمال کر دو  
 ضرور بولو۔ مگر وہ بولو جو وہ چاہتا ہے، وہ مت بولو جو وہ نہیں چاہتا سبھے۔ تو اللہ کی  
 نعمت کا شکر یہ ہے جو اس کے مشاء کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کرے۔  
 تو جو ہے ناما جان!۔ یہ تو ہو گیا میرا وعظ۔ اگر آپ گھبرائے نہیں تو اب میں اس کا  
 پھر رنخ بدلوں تقریر کا۔ اسے مختصر کرنا ہے ساری بات کو۔ یہ آیت جو ہے  
 کہ شکر کر دگے تو نعمت میں اضافہ ہوگا یہ کس پر نازل ہوتی ہے۔ یہ آیت مجھ  
 پر، آپ پر، ہم پر نازل ہوئی۔ ہیں۔ اللہ چاہتا تو ہم پر بھی کوئی آیت نازل کر دیتا،  
 نہیں، قطعاً نہیں۔ اللہ چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ اللہ ایسی بات چاہتا ہی نہیں  
 جو نہ ہو۔ ہاں اللہ کیوں چاہے ایسی بات جو نہ ہو۔ تو یاد رکھو میرے بزرگو  
 اللہ جیسا قادر مطلق جس کی قدرت میں کوئی شک نہیں ہم تک پہنچنے کے لئے رسول کو  
 وسیلہ بناتا ہے۔ تو ہم اللہ تک بے وسیلہ کیسے پہنچیں۔ جب اللہ ہم تک بے

دھیلے کے نہ پہنچا تو رسید ہونا عیب کی بات نہیں ہے۔ بجھے خیرہ الگ مضمون ہو جائے گا۔ اسے میں چھوڑتا ہوں۔

تو یہ آیت نازل ہوئی رسول پر کہ۔ تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کرو دوں گا۔ یہ بتاؤ اس آیت کی تعمیل رسول نے بھی کیا نہیں۔ شکر کیا ہو گا ناہوں نے۔

ہی۔ اور شکر کر کے۔ اللہ نے اپنے حسب وعدہ اضافہ کر فرمایا۔ اللہ کا وعدہ ہے۔ اب چاروں طرف نظر ڈالو۔ جتنی نعمتیں اللہ نے دی تھیں رسول کو وہ پہلے ہی دن اتنی حد کی دے دی تھیں ان میں امانت کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اب رسول سوچیں کہ اس کا شکر کر کے اضافہ کس شے کا کروں۔ میرے پاس جو نعمتیں ہیں وہ پہلے ہی اس حد کی ہیں ان میں اضافہ ہو سکتا ہی نہیں۔ بتاؤ بھی، اللہ نے رسول کو سیادت دی تھی۔ اس سے بڑھیا اور کوئی سیادت ہو سکتی تھی۔ شرافت دی تھی اس بڑھیا شرافت ہو سکتی ہے، غلق دیا تھا۔ اس سے بڑھ کر کوئی خلق ہو سکتا ہے۔ انسانیت دی تھی اس سے بڑھ کر کوئی انسانیت ہو سکتی ہے۔ سب سے بڑی نعمت رسالت دی تھی۔ دو پہلے ہی ایسی دی تھی کہ ختم کر بیٹھا۔ اور ہے ہی نہ تھی اس کے پاس۔ کس چیز کا شکر یہ ادا کرے جو اس میں اضافہ ہو جائے تو جو ہے نا صاحبان! جہاں جہاں بیٹھے ہو صاحبان ذوق۔ ایک نعمت تھی رسول کے پاس ایسی کہ جبر کا شکر یہ ادا کر کے وہ اس میں اضافہ کر سکتے تھے۔ اضافہ بھی طوئی نہیں موعضی۔ ایک اضافہ عرضی ہوتا ہے ایک طوئی۔ طوئی تو اضافہ ختم ہو چکا تھا۔ عرضی اضافہ اس میں کر سکتے تھے۔ وہ کیا تھی۔ وہ تھی نعمت عصمت! تو جو ہے نا صاحبان! اللہ نے رسول کو معصوم بنایا تھا یا نہیں؟ نعمت عصمت۔ یہ عصمت جو ہے میرے بھائیو۔ یہ کلمہ شکر ہے۔ کلمہ شکر اسے کہتے ہیں جو ہر جگہ یکساں نہ ہو۔ اسے کہتے ہیں کلمہ شکر۔ جس طرح ہے لفظ سفید۔ تو بتاؤ یہ میرے کہتے کا کیا رنگ ہے؟ سفید۔ اور یہ جو رنگ تاپنے ہوئے ہیں اس کا رنگ کیا ہے؟ سفید۔ کیا دونوں کا رنگ یکساں ہے؟ حالانکہ دونوں سفید ہیں۔ اور یہ رنگ کیا ہے؟ سفید۔ حالانکہ یہ سب سفید ہیں۔ مگر کہیں زیادہ ہے کہیں کم

بولیں گے سب کو سفید۔ اسی طرح عصمت ہے سب معصوم ہیں کہیں زیادہ کہیں کم۔ آدم کی عصمت اور  
 ہے برہمن کی عصمت اور ہے محمد کی عصمت اور ہے۔ آپ آدم کی عصمت کا تیسرا محمد کی عصمت پر نہ کریں۔  
 وہاں ترک اولیٰ کی گنجائش ہے، یہاں نہیں ہے۔ اسے اردو زبان میں یوں ادا کر دو کہ انبیاء کی عصمت میں اللہ  
 چودہ حصوں کی عصمت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء وہی کام کرتے ہیں جو ٹھیک ہو، غلط کام کرتے ہی نہیں۔ وہی کرتے  
 ہیں جو ٹھیک ہو۔ پہلے وہ تلاش کرتے ہیں ٹھیک۔ پھر کرتے ہیں۔ اور چودہ حصوں جو کر دیں وہ ٹھیک  
 ہو جاتا ہے۔ بس یہ فرق ہے ان کی عصمت میں۔ سچے حضور ﷺ وہ پہلے ٹھیک تلاش کر کے کرتے ہیں۔  
 پھر جو کر دیں وہ ٹھیک ہے۔ جو کہ دیں وہ ٹھیک ہے۔ جو کر دیں وہ ٹھیک ہے۔ توجہ ہے صاحبان  
 عصمت اللہ نے دی تھی رسول کو۔ اس عصمت کا شکر ادا کرنا تھا رسول کو۔ اس عصمت کا  
 شکر ادا کرنا تھا۔ پوری توجہ صاحبان شکر یہ زبان سے نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے۔ شکر یہ کے معنی  
 میں نے ابھی بتائے ہیں۔ اس طرح بڑے طور پر اللہ جانتا ہے۔ تو رسول کی عصمت کو اس شان سے بڑا کر دینا  
 سے دشمن بھی مان گیا کہ صادق ہے اور امین ہے۔ یہ عصمت کی نعمت کو برتنا تھا۔ اسی صداقت اور امانت  
 کے جوڑے کو عصمت کہتے ہیں۔ اور کیا ہے؟ انصاف میں عصمت ہو تو امین ہے۔ قول میں عصمت ہو تو  
 صادق ہے۔ قول داخل کی عصمت کو صداقت و امانت کہتے ہیں۔ گویا دنیا مان گئی کہ معصوم ہے۔ ابھی  
 رسول نہیں کہا تھا۔ یہ نعمت عصمت کا استعمال تھا یا نہیں تھا۔ توجہ ہے صاحبان آیات کو نہ بڑھاؤ  
 مختصر رکھوں۔ دیر نہ ہو جائے۔ چالیس سال مسلسل نعمت عصمت کا اس انداز سے شکر ادا کیا  
 کہ لائناں مان گئی۔ وہ دشمن مان گئے کہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے۔ اتنا شکر جس نے  
 ادا کیا ہو عصمت کا۔ اللہ کو حسب وعدہ اس میں اضافہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ عصمت میں۔ اب  
 رسول کی عصمت اتنی ہے۔ طوفاً تو اس میں اضافہ ہو نہیں سکتا۔ عرض ہو سکتا ہے۔ اللہ نے کہا  
 سن محمد میں اپنے اضافے کے وعدے کو پورا کرتا ہوں اس طرح۔ تو اپنی عصمت کا شکر ادا کر۔ میں  
 اس شکرے میں اضافے کے طور پر تجھے ایک اور عصمت عطا کرتا ہوں جس کا نام ہے۔ نافر۔ گویا  
 شہدہ طاہرہ بیٹی جو رسول کو ملی ہے، شکر یہ عصمت کے اضافے میں ملی ہے۔ اور

بیشیوں کی بات اور ہے، اس بیٹی کی بات اور ہے۔ اگر رسولؐ کے تھیں بھی اور شیطان  
 اس جگڑے میں نہیں پڑتا۔ وہ تھیں یا نہیں تھیں۔ کوئی کہتا ہے چار تھیں۔ یہ  
 کہتا ہوں چار سو بیس ہوں چلو۔ جگڑے کی کیا بات ہے؛ چار کد تھیں۔ مگر شکر  
 عصمت کے اضافے میں جو بیٹی ملی اس کا نام ہے۔ فاطمہؑ۔ یہ رسولؐ کو شکر یہ عصمت  
 کے اضافے میں ملی ہے۔ اس کا نام ہے فاطمہؑ۔ تو جہے ناصحان۔ اور چونکہ شکر  
 عصمت میں اضافہ ہو کے ملتا ہے۔ لہذا اس کی عصمت کی شان اور ہے، محمدؐ کی عصمت  
 کی شان اور ہے۔ آپ کہیں گے کہ عورتوں میں مریم بھی معصوم تھی۔ وہ تو تھیں  
 مگر ان کی عصمت کسی شکر یہ میں نہیں ملی تھی اُس کو۔ عطیہ الہی تھا اس میں۔ عصمت  
 کی اتنی ہی مقدار تھی کہ بس ایک پشت چل کے بیسی تک ختم ہو گئی۔ اور یہ شکر  
 عصمت میں ملی ہوئی عصمت تھی جو سیدہ کی شکل میں ملی تھی۔ تو جہے ناصحان!  
 اور یہ شرف اللہ نے اس شکر یہ عصمت کو عطا کیا تھا کہ قیامت تک اس کی پیدا ہونے  
 والی نسل معصوم تو نہیں ہوگی مگر بے حکومت کے شاہ، کہلائے گی۔ ہے یا نہیں  
 حضورؐ والا؟۔ کہلاتی ہے کہ ہمیں کہلاتی؛ بغیر سرداری کے سید کہلائے گی۔  
 دنیا اُن کے پیر چھونا ختم سمجھے گی۔ یہ اس لئے کہ شکر یہ عصمت کا بدلہ ہے حضورؐ والا۔  
 اگر پیسے پاس ہوں گے تو امیر کہلائیں گے، کچھ نہیں ہوگا تو بیچے ہوئے فقیر کہلائیں گے  
 ۔ مرجائیں گے تو پیر کہلائیں گے۔ یہ شرف یاد ہے شکر یہ عصمت کا۔ تو  
 سیدہ طاہرہ، عصمت کے شکر یہ کے طور پر ملی ہے۔

میرے محترم سامعین!۔ اب رسولؐ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا بھی شکر  
 ادا کروں، تاکہ اللہ اور انصاف کرے اب فاطمہؑ کی نعمت کو کس طرح شکر یہ ادا کیا اُس نے  
 ۔ بڑے اختصار کے ساتھ بات کرتا ہوں۔ یعنی چلی آ رہی ہے۔ اگر نری بیٹی  
 ہوتی تو بیٹھے رہتے۔ چونکہ انصاف شکر تھا لہذا اس کے لئے شکر یہ یوں ادا کیا

کہ بیٹی کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے — تعظیم کو اٹھنا اس نعمت کا شکر یہ تھا۔  
 اللہ نے دیکھا — تم نے اس نعمت کا شکر یہ ادا کیا — لاؤ ہم نعمت کا اور اضافہ کر دیں۔  
 فاطمہ کی تعظیم کے لئے اٹھے — اللہ نے ایک نعمت حسن کی شکل میں دے دی، لو۔  
 یہ شکر یہ نعمت کا صلہ ہے جو ہم تمہیں ادا کرتے ہیں — توبہ ہے نامہ صابان — اب  
 یہ فاطمہ والے شکر یہ میں اضافہ ہو کر حسن والی نعمت ملی — پوری توبہ صابان —  
 رسول نے کہا لاؤ اس نعمت کا بھی شکر یہ ادا کروں گا — اس کا شکر یہ کس طرح ادا کیا۔  
 نماز پڑھانے جا رہے تھے عید کی — حسن، جو نعمت کا شکر یہ ملا تھا اسے بٹھا رکھا تھا  
 کندھے پر — زلفیں اسے پکڑا رکھی تھیں — لو بیٹا چلو — یہ ہے شکر یہ نعمت  
 حسن جو جمع عام میں رسول ادا کر رہے تھے — اللہ کو یہ ادا پسند آگئی —  
 محمدؐ نے حسن کی نعمت کا خوب شکر یہ ادا کیا — ہم اضافہ کر کے تمہیں حسین دے دیں۔  
 اللہ نے اضافہ کر کے حسین دے دیا — حسین جو نعمت ملی — کہ اس کا بھی شکر یہ ادا  
 کروں گا — فاطمہ کا شکر یہ محض تعظیم کر کے — حسن کی نعمت کا شکر یہ یہ تھا کہ نماز  
 کو جاتے وقت کندھے پہ بٹھا لیا — نماز کو جاتے ہوئے، نماز میں نہیں — نماز کو  
 جاتے ہوئے — حسین نامی نعمت ملی تو شکر یہ کا انداز بڑھ گیا — اسے جاتے ہوئے  
 نہیں — عین نماز میں، سمجھے — سجدہ میں یہ شکر یہ ادا ہو رہا تھا — اور فقرہ میں کہتا  
 ہوں صاحبانِ ذوق — یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے — حسین کی نعمت کا جو شکر یہ ادا  
 کیا — وہ عین نماز میں — نماز میں بھی رکوع میں نہیں، قیام میں نہیں — سجدے میں  
 پشت پہ بٹھا لیا حسین کو — یہ حسین نامی نعمت کا شکر یہ تھا — کہاں شکر یہ ادا  
 ہوا؟ سجدہ میں — کہاں؟ عبادت میں — چونکہ اس شکر یہ میں عبادت اور سجدہ  
 دونوں شامل ہیں — اب جو اضافہ بٹھا ہو گا اس میں سجدہ بھی ہو گا اور عبادت بھی ہو گی —  
 لہذا حسین نامی نعمت کے شکر یہ میں جو ملا وہ سیدہ الساجدین بھی تھا اور زین العابدین بھی

یہ شکرِ نعمت میں مل رہا تھا۔ وہ سیدالسادقین تھا اور زین العابدین بھی تھا جو  
 اللہ نے شکرِ نعمت میں عطا فرمایا۔ اب جب یہ نعمت مل گئی سیدالسادقین زین  
 العابدین والی نورسول نے کہا لاؤ وہ بھی شکر یہ ادا کر دیں۔ اس کا شکر یہ ادا کیا تو اللہ  
 نے کہا محمد سنتے بھی ہوا اس شکر کے میں تمہیں محمد ہی نہ دے دیں؟ محمد کے شکر کے میں  
 محمد مل گیا جس کو آپ محمد باقر کہتے ہیں۔ سمجھے حضور نے اس نے کہا۔ یا اللہ تیرا شکر  
 اس نے کہا اچھا۔ یہ لسانِ صدق سے شکر یہ ہے نا؟ تمہیں صادق نہ دے دیں۔ اللہ  
 نے جعفر صادق دے دیا۔ شکر کے پلٹے جا رہے ہیں۔ رسول کا شکر چلتا رہا، اللہ  
 کا اضافہ چلتا رہا۔ چلتے چلتے جب گیارہویں پہنچے۔ اب تو اللہ کو اپنے خزانے  
 کا جائزہ لینا پڑا۔ یہ تو شکر ختم ہی نہیں ہوتا۔ یہ تو مجھے اضافہ کرنا پڑے گا۔  
 کہا محمد ا سنتے بھی ہو۔ اب بالمقطع طے کر لو۔ بار بار نہیں۔ گیارہویں  
 تک تو م دیتے رہے۔ آج سے بالمقطع سو ادا کر لو۔ کر کیا؟ تمہارا شکر یہ دائم  
 ہے ہمارا اضافہ قائم رہے۔ آج یہ چیز جو جلے۔ ہمارا عطیہ قائم ہو اور تمہارا شکر یہ  
 دائم ہو۔ جاؤ تمہیں یہ چیز عطا کرتے ہیں۔ تو جہے نا صاحبان؟ بہت اچھا یا اللہ دے  
 دے۔ اب ایسا عطیہ دوں گا جو قیامت تک قائم رہے گا۔ سمجھے نا حضور؟  
 میرے محترم سامعین۔ میں شور کوٹ پھر کبھی آؤں گا یا نہیں۔ دیسے ہی زندگی کا بھروسہ  
 نہیں اور تم لو اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں بھروسہ رہا ہی نہیں لہذا کیوں نہ چلتے دقت آپ کو  
 یہ بات کہتا جاؤں کہ خدا کا شکر ادا کر دو۔ اللہ کا احسان مانو۔ مانو گے، کہ خدا نے  
 تمہیں قائم جیسا امام دیا۔ ماشاء اللہ چشم بددرد۔ مومنین خدا تمہیں مبارک کرے  
 کہ تم بے امام نہیں ہو۔ اللہ نے تمہیں امام عطا فرمایا ہے۔ تمہارا امام قائم جیسا ہے  
 ہے نا؟ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ تمہارا۔ تو  
 نہیں۔ اور بارہواں امام؟ ہمارا امام ہے۔ تمہارا امام ہے۔ ہمارا امام ہے۔

خدا ہے، رسول ہے، ہمارا امام ہے۔ اس نے ہمارا وجود ہے۔ دنیا نے  
ہمیں، تھا، کرنے کی کوشش کی۔ مگر نہیں۔ ہم ہیں۔ اور میں اس نے کہ ہمارا  
وارث ہے، ہمارا امام ہے۔ یہ شیعان کا مہذبے حضور۔ اور شیعان کی مناسبت  
سے یہ دو چار جملے آپ کے کہہ دوں کہ خدا کے فضل سے ہمارا امام ہے۔ بولو ہے۔؟  
اسی امام کے ہونے کی وجہ سے ہم دنیا کے سامنے سینہ تان کے کہتے ہیں کہ دنیا والو کیا یاد کرو گے  
ہم ہیں امامیہ۔ اور کوئی فرقہ دنیا امامیہ نہیں۔ ہم ہیں امامیہ۔ سمجھے۔ امامیہ؟  
کے کیا معنی؟ امام دالا۔ جیسے لاہوریا۔ امامیہ، امام دالا۔ سمجھے۔ ہم ہیں امامیہ  
۔ اور کوئی دنیا میں امامیہ نہیں۔ ہم ہیں امامیہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بے امام تو کوئی انسان  
نہیں دنیا کا۔ کس سے آپ پوچھیں کہ بھئی مسلمان! بتانا تیرا امام کون ہے۔؟  
وہ بڑے ادب سے کہنے گا۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ میرے امام فلان بزرگ  
رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ سمجھے؟ کہ بھئی تمہارا امام کون ہے؟ کہ میرے امام فلان بزرگ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ کوئی اپنے امام کے ساتھ سوائے تھے کے نہیں کہتا۔ یہ ہم میں  
کہ سینہ تان کے کہتے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھ کے دیکھے۔ ہمارا امام ہے۔ دنیا کے  
امام تھے۔ ہمارا امام ہے۔ اس نے ہم امامیہ ہیں۔ دنیا کے لئے امامیہ نہیں کہ  
ان کے امام تھے۔ ہمارا امام ہے۔ توجہ نا صاحبان۔ اور یہ شکر یہ نعمت  
رسول میں جلا ہوا ہے۔ اس نے کبھی ختم نہیں ہونا۔ ہمارا امام خدا کے فضل و کرم سے  
ہے۔ ہمارا امام ہے۔ موجود ہے۔ کہاں ہے؟ غائب۔ ویسے ہر جگہ ہے  
۔ غائب ہے۔ اس کی غیبت کا نذرہ سن لو اور پھر میں بیٹھ جاؤں گا قبہ۔  
حضور امام علی نقی علیہ السلام ہمارے دسویں امام کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ  
امام جو آخری امام ہوگا۔ جو دائم و قائم ہوگا، ذرا اس کی صفت تو بیان کریں کہ کس شان کا  
ہوگا۔ اب جناب لطافت کو درسی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں ان لفظوں کا لطف ہے



بیان کرنے والی ہر معصوم کی زبان — امام بیان والا ہے — امام کی فضیلت ہو —  
 پھر اس کے اندر کتنی لطافتیں ہونگی — یہ وہی جانتے ہیں — ہم تو اس کا اورد در ترمیم بھی  
 نہیں کر سکتے صحیح — امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں — ہمارے امام کے متعلق کہ  
 کیا پوچھتے ہو اپنے امام کی شان —

« صاحب الدعوة النبویہ وصولت الحیدریہ »

تمہارا امام اسی طرح دین کی دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جدر رسول دعوت دیتا تھا۔  
 وصولت الحیدریہ — اس کا اقبال حیدر کرنا جیسا ہے — وعصمت الفاطمیہ،  
 اس کی عصمت فاطمہ کبریا جیسی ہے — وحلم الحسینیہ، حسن جیسا اس کا حلم ہے۔  
 وشجاعت الحینیہ، اور حسین جیسی اس کی شجاعت ہے — اور چلتے چلتے — آپ  
 صفت بیان کرتے کرتے گیارہویں پہنچے — والہیة العسکریہ، حسن عسکری  
 جیسی اس کی ہیبت ہے — یہاں آکے اپنے رک کے فرمایا — تم اس کی غیبت پوچھتے  
 ہو — والعیبة الالہیہ — اللہ جیسی اس کی غیبت ہے — اب بتاؤ اللہ کسی بڑی  
 یا غار میں غائب ہے — اللہ کسی مکان میں غائب ہے — اللہ ہر جگہ ہے اور غائب ہے  
 — اسی طرح وہ ہمارا امام خدا کے فضل سے ہر جگہ ہے اور غائب ہے — اس مجلس میں بھی موجود  
 ہے — بولو ہے بے اور یہ مجلسیں کیوں کرتے ہو؟ یہ جلسے کیوں کرتے ہو؟ یہ اتنا  
 خورج کیوں کرتے ہو؟ — مولوی صاحبان کی اتنی خوشامدی کیوں کرتے ہو؟ بڑھتے دالوں  
 کی اتنی خوشامدی کیوں کرتے ہو؟ — تمہاری کیا عرض والبتہ ہے ان سے — تمہارا  
 کیا کام والبتہ ہے ان سے؟ ہے یا نہیں؟ محض اس لئے کہ تمہیں یقین ہے کہ ہمارا  
 امام ہے اور اس کو راضی کرنے کے لئے یہ اس کے دربار لگاتے ہیں — کہ ہمارا مولانا ہمارا  
 امام ہم سے راضی ہو جائے — ہم یہ تصور کہہ سکتے ہیں مجلس میں کہ ہمارا امام یہاں بیٹھا  
 ہے اور ہم سب اس کی رعایا اس کے سامنے حاضر ہیں کہ مولانا تیرے سامنے تیرا دربار لگانے

کے لئے تیری رعا جانے یہ سب کچھ شرح کیا ہے۔ لوگوں کو بلا یا ہے۔۔۔ مولویوں کی خوشامد کی ہے۔ تیرا ذکر سننے کے لئے۔ ہم تجھے تیرے بزرگوں کا پتہ نہ دیتے ہیں۔ اور تیرے سلسلے تیرے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ اصل سامع مجلس دہی ہے۔ اسی تصور کی وجہ سے میں نے عمر بھر کبھی بیٹھ کے نہ پڑھا۔ میرا ایمان ہے کہ وہ میرا مولانا موجود ہے۔ اس کے ہوتے میں کرسی پہ بیٹھ جاؤں یہ بڑی گستاخی ہوتی۔ یہ اس کی شان کے خلاف بات ہے حضور۔ اسی لئے کبھی بیٹھ کے نہ پڑھا آج تک۔ اب تو اس قابل ہو گیا ہوں کہ مولانا ہمارا ہوا تو کیا۔۔۔ پیسے دونوں پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا تھا۔ اب تیری بارگاہ میں ایک پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا ہوں۔ تو اسے قبول فرما۔ ہمارا مولانا موجود ہے۔ لوجھائیوں کا گفتگو ختم ہوتی ہے۔ گرمی کا وقت ہے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا۔ کربلائی مغللی میں مجلس تھی۔ ایک عالم بیان کر رہے تھے اور وہ کہتے تھے کہ جب تم مجلس منعقد کرتے ہو اس میں امام زمان آکے بیٹھتے ہیں تو تم یہ تصور کر کے پڑھا کرو کہ تم امام کو سنا رہے ہو اور اس کے طفیل میں یہ مجمع بھی سن رہا ہے۔ اصل میں امام کو سنا رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم امام کے سلسلے معائنہ پڑھو۔ بے شک حسین کی شہادت پڑھ دینا کوئی پرزوا نہیں۔ امام سن کے روتے ہیں۔ تم علی اکبر کی شہادت پڑھ دینا پرزوا نہیں۔ علی اصغر کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں۔ عباس کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں۔ امام ان باتوں کو سن لیتے ہیں۔ مگر ایک بات کی احتیاط کرنا۔ کیونکہ امام موجود ہوتے ہیں۔ کہ ذرا سوچ سمجھ کے پڑھنا وہ چیز ایسی ہے جسے سن کے امام بے ہوش نہ جاتے ہیں۔ ہاں امام بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے آکے ان کے پاؤں ملتے ہیں۔ ان کی دادی آکے ان کے سر کو گود میں لیتی ہیں۔ پھر انہیں غش سے لافاقہ ہوتا ہے۔ کیا؟۔ اس کے سلسلے زینب کی قید نہ پڑھ دینا۔ کیونکہ اس کے

لئے ناقابل برداشت ہے۔ وہ ہر شہادت کو سن لیتا ہے۔ زینب کی قید برداشت نہیں کرتا۔ یہ چیز اس کے لئے قابل برداشت نہیں ہے۔ یہ چیز ذرا سنبھل کے پڑھنا۔ یہ چیز ذرا سونج کے پڑھنا۔ ریشہ وہ نہیں برداشت کر سکتا۔ اسے ذرا سونج کے پڑھنا۔ زینب کی قید بڑی مشکل شے ہے۔ اسے ذرا خوب سنبھل کے پڑھنا۔ اسے پڑھتے وقت ڈاکر کو، مولوی کو بڑی احتیاط کرنی چاہیے امام سن رہا ہے۔ زینب کی قید پر صحنی ہے۔ امام سن رہا ہے۔ میرے محرم بھائیو! امام نے ہمیں بتایا ہے، ہمیں نرتہ نہیں تھا۔ امام کے دو جیلے کہہ کے میں بیٹھا ہوں۔ امام نے بتایا ہے ہمیں۔ ہمیں کیا خبر تھی۔ ہم نرتہ سمجھے ہوئے تھے۔ ایسا کون ظالم ہے جیسا ہو گا دنیا میں جو بے ضرر سپیڈائیوٹل کے ہاتھ باندھ دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب میں خود قید ہوا تھا۔ میں اپنی بھگتی ہوئی بتاتا ہوں۔ رات کے دو بجے تھے۔ ۲۹ جنوری سردی کی رات تھی۔ تقریباً پانچو آدمی پولیس کا مجھے گرفتار کرنے آیا۔ پانچو آدمی۔ سارے محلے کا محاصرہ تھا۔ چھٹیا پہ پولیس تھی۔ ایک ہنگامہ تھا اور سارا عمدہ سہما تھا۔ خدا جانے کیا ہوتا ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا قصہ ہے؟ جب مجھے گرفتار کیا انہوں نے مجھے کار میں بٹھایا۔ تو کسی سپاہی نے ایس۔ پی سے کہا۔ جناب ہتھکڑی لگاؤں۔ تو اس نے کہا خبردار بکواس بند کر دو۔ یہوں شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں نے کہا۔ ایس۔ پی صاحب کاش تم کہ بلا میں کھڑے ہوتے۔ بجائے یہاں کے دہاں کہہ دیتے کیوں شریف آدمیوں کو پریشان کرتے ہو۔ میرے ساتھ یہ ہوا۔ اور جس دن میں گرفتار ہوا تھا بھائی۔ یہی میں آپ کو بتا دوں۔ وہ تاریخ وہ تھی جس تاریخ کو بارون کی فوج نے محاصرہ کر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا۔ بالکل وہی تاریخ جس دن مجھے گرفتار کیا تھا۔ بہر نزع چلے گئے۔ سپیڈائیوٹل کے ہاتھ بندھ گئے

مجھے یہ خیال رہا، فکر لگا کہ ہاتھ بندھ گئے۔ کہ ہاں بے ضرر سیڈائیوٹل کے  
 تو ہمارے ذاکر، مولوی، ہم سب یہ سوچتے رہے کہ ہاتھ پتہ نہیں کس طرح بندھے تھے  
 — پتہ نہیں باندھ بندھے تھے ہے نا۔

شامیاں بستند بازو زینب و کثوم را

پتہ نہیں ہاتھ کس طرح بندھے تھے۔ یہ امام نے مرثیہ میں فرمایا۔ امام کا فرمان ہے  
 یہ۔ کسی ذاکر کی بات نہیں کہ روایت غلط ہے۔ یہ امام نے فرمایا ہے کہ میرا سلام ہو:  
 — میری دادی زینب پر۔ تم سب بھی سلام کر لو۔ ہمارا سب کا، مراداً، تیری دادی  
 زینب کو سلام۔ ان کا فقرہ ہے یہ۔ ہمارا نہیں۔ میرا سلام ہو میری دادی  
 زینب پر جس کے دونوں ہاتھ جس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ امام نے  
 بتایا تھا ہمیں۔ اس کے ہاتھ۔ یہ بات ہمیں امام نے بتائی کہ اس طرح میری دادی  
 کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ کہ بلا میں ہاتھ بندھ گئے۔ اور جب  
 دمشق کے شہر میں پہنچے ہیں۔ زائرین کو، تمام زائر جو جاتے ہیں وہ تقریباً کربلا کے ساتھ  
 شام بھی جلتے ہیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں جو زری کربلا کی زیارت کر کے چلا آئے اس  
 کی زیارت قبول ہی نہیں ہوتی جو زینب کے سلام کو نہ جاتے۔ اب تو جاتے ہیں زائر  
 دہاں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ جاتے ہیں بی بی کے سلام کے لئے۔ حضور جو  
 شہر آج ہے نا دمشق کا، اُس زمانہ میں نہیں تھا۔ اس زمانہ میں تو پرانا شہر تھا  
 — جو اب بھی اندر ہے۔ باہر تو نیا شہر ہے۔ اندر کی طرف وہ پرانا شہر اب بھی  
 ہے۔ اس زمانہ کا شہر تھا۔ جس میں بی بی گئی تھی۔ اور یہ فقرہ بھی آپ سے کہہ  
 دوں، ساداتِ عظام مجھے معاف کرنا۔ مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے۔ ساری گلیاں  
 سڑکیں ملا کے تقریباً ڈھائی میل بن جاتا ہے۔ اس میں بی بی کی گردن سے ہاتھ بندھے  
 ہوئے پیدل گئیں۔ یہ مجھے کہنا پڑتا ہے ورنہ اس وقت بی بی کے ہاتھ گردن سے بندھے

ہوئے تھے۔ اور جب بی بی کو طاقتی طاقت کے سامنے پیش کیا گیا تو بھی ہاتھ بند  
 ہوئے تھے اور شام کے زائروں نے دیکھی ہوگی وہ جگہ جہاں جا کے یہ سادات کھڑے  
 کر دیئے گئے۔ وہاں ایک لکڑی کا چوڑا سا بنا دیا گیا ہے۔ یہ جگہ تھی جہاں وہ  
 کھڑے ہوئے تھے آگے۔ جگہ محفوظ رکھی ہے۔ جہاں وہ کھڑے تھے اور سامنے  
 طشت میں بھائی کا سر رکھا تھا اور یہاں وہ کھڑی تھیں اور آٹھ گھنٹے سے بندھے  
 ہوئے تھے۔ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ بھئی سن رہے ہو۔ خدا تمہاری عزت  
 کی حفاظت کرے۔ جو فقرہ میں نے کہنا تھا وہ یہ تھا۔ ہائے کیا بتاؤں۔ کھڑے  
 تھے اس طرح۔ کوئی مصیبت تھی ایسی جو ان پر نہ گذر گئی ہو۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام  
 کا فرمان ہے کہ میری دادی پر وہ مصائب گذر گئے کہ جنہیں نہ کوئی سوچ سکتا ہے۔  
 نہ سمجھ سکتا ہے۔ انہی کو پتہ تھا جن پر کیا گذر گئی۔ نہ کوئی دماغ انہیں ذہن میں لاسکتا  
 ہے۔ نہ سمجھ سکتا ہے۔ امام موسیٰ کاظم نے فرمایا۔ کوئی مصیبت تھی ایسی جو ان  
 پر نہ گذری ہو۔ اور یزید کے دربار میں کھڑی تھیں۔ یہ فقرہ میں نے کہنا تھا  
 آخری اب۔ اور میرے عزیز ڈھائی تین گھنٹے گذر گئے کھڑے کھڑے اور یزید  
 اتنا مشغول ہے اپنے نشہ فقع میں۔ قیدیوں سے بات نہیں کرتا۔ اور یہ کھڑے  
 تھے۔ چھوٹی بچیوں کے پاؤں میں ڈرم آگئے تھے۔ پیل پیل کے آنا اور کھڑے  
 رہنا۔ اور زمانے کا امام بالکل خاموش کھڑا ہے۔ بی بی خاموش کھڑی ہیں اور  
 گردن سے سیدانینوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ سب کھڑے ہیں۔ جہاں  
 جناب رباب جو ساتھ کھڑی تھیں وہاں امام حسن کی بیوہ جناب تاسم کی والدہ ساتھ تھیں  
 صرف فاطمہ کی بہوؤں میں یہ دو بہوئیں تھیں قید میں۔ ایک علی الصغر کی والدہ  
 اور ایک تاسم کی والدہ۔ جناب بی بی جو تھیں علی اکبر کی والدہ۔ ان کا  
 اسٹے میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ شام تک پہنچی ہی نہیں تھیں۔ یہ دو بہوئیں

تھیں انہوں نے سر جھکا رکھے تھے۔ اور انہوں بالکل سر نہ اٹھائے۔ اور بانی  
 نے امام زین العابدین سے کہا تھا دربار سے آگے۔ کہ بیٹا مجھے کھا گئی یہ بات کہ  
 میری بھاری جہیں کھڑی تھیں اور ان کے پیچے کے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ وہ  
 کیا کہتے تھے کہ کس خاندان میں بیابھی گئی ہیں ہماری رڑکیاں۔ مجھے شرم کھا رہی  
 تھی۔ یہ لوگ کیا کہتے ہوں گے۔ تو اس وقت یزید نے ڈھائی تین گھنٹے کے بعد  
 ٹوکا ہے انہیں اور کہا کہ ان قیدیوں کے نام بتاؤ یہ کون کون ہیں؟ کیا ہیں؟ یہ چیزیں  
 غور کرنے کی ہیں قسد۔ انہیں دینکے لوگوں کو بتاؤ۔ انہیں عام کر دو۔ اور  
 پڑھے لکھے حضرات کو بتاؤ کہ دنیا کی ہر تکلیف اور مصیبت اٹھائے ہوئے۔  
 کہتی کیا ہے اس وقت۔ فقرہ کیا اُس کی زبان سے نکلا ہے۔ یہی تو میں  
 کہتا ہوں۔ یا اللہ یاد رکھ تیری قدرت تو ہے ہی بے انتہا۔ پر ایسے بندے  
 بھی نہیں ہوں گے۔ یہ کہاں بھی نہیں ہوگا۔ کہتی کیا ہیں؟۔ الحمد للہ  
 اگر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ عزت عطا کی۔ قید کوئی اور ہوتا تو  
 کہتا کہ واہ اللہ میاں ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں۔ تیرے نام پر ہم مر گئے اور تو نے ہماری  
 خبر نہ لی۔ وہاں یہ کہہ کے کہ ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں یہ عزت دی۔ بی بی  
 نے منوا دیا کہ خدا ہے، خدا کوئی ہے۔ یہ زینب کا احسان ہے کہ آج دنیا خدا کو مان رہی ہے  
 ۔ ان حالات میں منوا یا کہ خدا ہے اور اگر یہ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اپنا  
 کوڑنگا۔ زینب کے اس شکر یہ ہے مجھے نہیں معلوم کہ کیا ایسا نہ ہوگا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ  
 میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے یہ عزت عطا فرمائی۔ جس نے ہمیں یہ شرف عطا  
 فرمایا۔ جس نے ہمیں یہ شان عطا فرمائی۔ ہاتھ بندھے، نظام کے دربار میں ایک  
 خاتون یہ کہہ رہی ہے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ عزت عطا فرمائی کہ ہم اس کے دین  
 کے محافظ ہیں۔ اس کی حفاظت میں یہاں قید ہوئے کھڑے ہیں اور ہم خدا کا شکر ادا

کہتے ہیں — جو زمین میں موجود ہیں یا اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں  
 ان شکر گزاروں کے حق کا شناسا بنایا۔ محمد و آل محمد کی معرفت ہمیں دی — ان  
 کا ذکر کرنے اور ان کی مجالس برپا کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائی — بس بجائیو اللہ  
 تمہیں سلامت رکھے۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ میرا بیان ختم — زندگی رہی۔ تو  
 انشاء اللہ بھر کبھی

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

شورکوٹ شہر  
 ۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء

# انسان اور انساہ

عنوان

انسان اور انساہ

شہزادگانِ عون و محمدؐ

فضائل

مصائب

کبھی یہ پوچھنا چمکے سے گوشِ مادر میں  
ہماری نانا کا کیا سن تھا جنگِ خیبر میں

آوازِ حلاوت



# انسان اور انسانیت

میں آج گفتگو یہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی خاص مقصد کے لئے خلق فرمایا ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے اور سب سے بڑی بات اللہ ہم سے چاہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیے۔ تو ہم میں انسانیت ہو۔ جسے اُس نے انسان بنایا ہے۔ وہ کوئی انسان بن کے رہے۔ فرشتہ بنانا ہمارا یہ بھی اُس کا مقصد نہیں اور ہمارا حیوان بن جانا یہ بھی اُس کی مشیت کے خلاف ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان۔ انسان ہی بن کر دُنیا میں رہے سمجھے نا۔ حضور۔ میرے محترم سامعین میں آسان ترین الفاظ میں آپ سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے لئے حیوان بننا انتہائی آسان ہے۔ فرشتہ بننا انتہائی آسان ہے۔ اگر کوئی ذات مشکل ترین ہے ہمارے لئے تو وہ انسان بننا ہے۔ مثلاً خدا خواستہ اگر ہم ابھی حیوان بننا چاہیں۔ تو یہ مشکل بات نہیں۔ انسان کو بھی بھوک لگتی ہے۔ اور حیوان کو بھی بھوک لگتی ہے۔ اس بھوک کے معاملے میں ہم مشترک ہوئے یا نہیں۔ اب فرق کیا ہے۔ کہ حیوان کو بھوک لگی۔ وہ گھر سے چلا بھوک میں۔ اس کے سامنے جو آیا وہ کھا گیا۔ اُس نے یہ نہیں سوچا "اپنا ہے یا پرلایا۔ جائز ہے یا ناجائز۔ مناسب ہے یا نامناسب۔" اس نے کھا لیا یہی اُس کا مقصد ہے۔ بغیر کسی سے پوچھے۔ اور اگر میں بھی اسی طرح اپنی بھوک کا انتظام کروں اور کھا جاؤں اور نہ سوچوں کہ جائز ہے یا ناجائز۔

مناسب ہے یا نامناسب۔ آپ نے چارہ منگایا تھا۔ اپنے جانور کے لئے  
 کھا گیا ہمسائے کا جانور۔ آپ نے اُس کے چار ڈنڈے مارے۔ دیکھنے  
 والے اس کے حمایتی ہو گئے۔ ارے بھائی جانے بھی دو حیوان ہے پچھارہ۔  
 سارا چارہ کھا گیا۔ پھر بھی اس کے حمایتی۔ سارا کھیت کھا گیا پھر بھی اُس کے  
 حمایتی۔ ہمارا پورا باغ ہضم کر گیا پھر بھی اُس کے حمایتی۔ تو حیوان بننا بڑا ہی آسان  
 ہے۔ فرشتہ بننا بڑا ہی آسان ہے۔ اپنے بازاروں میں تو کئی 'ولی اللہ' دیکھے  
 ہوں گے۔ ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ فرشتہ نظر آ رہا ہے۔ ولی نظر آ رہا ہے۔ یہ انسان  
 بھی کتنا عجب ہے کہ اگر ماننے پہ آجائے تو 'بازاری' کو ولی۔ مان لے نہ ماننے پہ آڑ  
 جائے تو علی کو ولی نہ مانے۔ نہ اللہ انسان کا میوان بننا پسند کرتا ہے نہ فرشتہ بننا  
 پسند کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے انسان۔ انسان بن۔ آرام سے رہ۔  
 اچھا لباس پہنو۔ اچھی خوراک کھاؤ۔ خوشبو لگاؤ۔ نماز پڑھو۔ اور امن  
 سے زندگی بسر کرو۔ یہ چاہتا ہے اللہ آپ سے۔ یہ نہیں کہ ساری رات بلند  
 آواز سے چیختا ہے۔ نیند آتی نہیں۔ بیکاری کا مشغلہ ہے۔ بلند آواز سے  
 چلائے جا رہا ہے کہ "میرے مولا بلا کو مدینے مجھے"۔ اب مولا کو کیا غرض پڑی  
 ہے بلانے کی۔ اب مولا کے پاس بھی جانا ہے تو مولا ہی کو کہا جا رہا ہے کہ خود  
 ہی بلا لے۔ خود جاؤ۔ ہمسائیوں کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔  
 تم خود جانے کی تیاری کرو۔ خود ارادہ کرو۔ تو بلا نے صبح کی نماز تم میں پڑھو۔  
 ظہر کی نماز مشہد میں پڑھو۔ عصر کی نماز کا ظہین میں پڑھو۔ مغرب کی نماز کمر بلا  
 میں پڑھو۔ عشاء کی نماز نجف میں پڑھو۔ پھر اُسے بلانے کا مزاج بھی آئے۔  
 حلال کھاؤ۔ حلال کھاؤ۔ آرام سے رہو۔ مگر یہ عادت انسان میں پیدا ہو  
 گئی ہے۔ حضرت نوح کے طوفان کے بعد۔ دو لفظوں میں بیان کرتا ہوں

ہے تو لمبی جوڑی۔ تاریخ کی بات۔ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد۔ اُن کے بیٹوں کی نسل دُنیا میں پھیل گئی۔ اُن کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ سام۔ دوسرے بیٹے کا نام تھا۔ یافث۔ ایک سام دوسرے یافث اور تیسرے تھے۔ حام۔ "سام۔ حام۔ یافث"۔ سام چونکہ بڑے بیٹے تھے لہذا سام کے بیٹے نے حکومت سنبھالی۔ یافث اور حام کی اولاد اس کی رعایا ہو گئی۔ صرف اس لئے سام کی اولاد نے حکومت سنبھالی کہ وہ بڑے بیٹے کی اولاد تھے۔ چونکہ سوچاں برس اسی طرح گزر گئے تو یافث اور حام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دُنیا میں پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ رعایا بن کے رہیں۔ اور سام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دُنیا میں پیدا ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ حکومت کریں۔ تو سر وہ حکومت جو بغیر کسی دلیل کے محض "بڑے پن" کے دوسرے پر غالب ہو جائے تو وہ آج بھی "سامراج" کہلاتی ہے۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان کو دُنیا میں انسان ہی بن کر رہنا چاہیے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے لہذا انسان ہی بن کر رہے۔ آپ حضرت کی خدمت میں ایک نقطہ پیش کرنا ہے اور نقطے کی حیثیت بھی بڑی ہے۔ اسے پڑھنے کے لئے احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایک نقطے کے بدلنے سے خدا "جدا" ہو جاتا ہے۔ تو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انتخاب کا ترجمہ بتانا ہے چھانٹنا۔ چھانٹنا نہیں ہے۔ اور چُنے کے لئے ہے اصطفیٰ۔ اس کا اصطفیٰ ہوتا ہے جو چُنا ہوا ہوتا ہے۔ اور جس کا انتخاب ہوتا "چُنا" ہوا ہوتا ہے۔ اور اللہ کے چُنے ہوئے میں معاذ اللہ کوئی شبہ ہو سکتا ہی نہیں غلطی کا شائبہ تک نہیں۔ اگر چُنے ہوئے میں ذرا سی بھی غلطی نکل آئے تو وہ چُنے والے کی بھی غلطی ہے۔ اور اگر غلطی نکل آئے تو یا اُس میں خرابی ہے یا چُنے والے نے غلط چُنا۔ ایک بات ہے اگر آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے۔ کہ ایک شخص نے بڑی خوبصورت کوٹھی تروائی۔ عظیم الشان۔ لاکھوں روپیہ خرچ کیا

اس کے بننے میں — اس میں ایک بڑی قیمتی کمرہ بھی بنوایا — جیلا سا نام ہوتا ہے — بتائیں آپ تہہ نہیں اس کا کیا نام ہے — ڈرائینگ روم — ہاں — یہی ہے — ڈرائینگ روم — ہاں اس کا نام ڈرائینگ روم اس لئے کہ عزیز لوگ اس کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں — اسے سجایا گیا — امریکہ سے تحفے منگوائے — ایرلن سے قالین منگوائے — ہر ملک سے کچھ نہ کچھ منگوایا لاکھوں روپے لگائے — شہرت ہو گئی — کوشی بنی — ڈرائینگ روم تو سبحان اللہ — اب جو شور مچ گیا نا — عام — ایک نابینہ بھی چلا گیا — جاتے ہی چیزوں سے ٹکرنا گیا — لاجول ولا — ”اب نظر خود کو نہیں آتا“ — اگر آنکھ ہوتی تو جلوہ دیکھتا — خرابی چیز میں نہ تھی دیکھنے میں خرابی تھی — تو صاحبان! آدم سے لے کر خاتم تک کسی میں کوئی عیب ہو سکتا ہی نہیں ان میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں — کبھی بھول ان سے ہو سکتی ہی نہیں یہ نامکُن ہے — نہ ان میں معاذ اللہ کوئی خرابی ہو سکتی ہے — نبی ہر شے کا علم رکھتا ہے — یہ خالق کا تخلیقی کمال ہیں اور اس کے کمال میں نقص بتانا یہ اپنی بے ہنری بتانا ہے — یہ جہالت کی دلیل ہے — سارے انبیاء کا بادشاہ بنی تھا ہمارا بنی — اب کئی صاحبان بتاتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی اس کے پاس جبرائیل نے آکر وحی سنائی — تو وہ ڈر گیا — جبرائیل کو پہلی دفعہ دیکھا تھا ڈر گیا — ڈرے ہوئے گھر آئے اگر بیوی سے کہا — ام المؤمنین کو بتایا — کہ مجھے آج یہ واقعہ پیش آیا — وہ بیچارہی اسے اپنے بھائی کے گھر لے گئی — اور ان کے بھائی کا نام تھا ”درقہ“ اس ”درقہ“ نے سارا فقرہ سنا اور کہا کہ ”واقعی سچ سچ ہے“ کہا کہ ”ہاں“ کہ پھر تو تم بنی ہو گئے ہو — اچھا تو یہ بات ہے — کہ — ہاں — اب ایک فقرہ کہتا ہوں صاحبان ذوق کے لئے کہ — اب بتائیے کہ جو بنی ہو صاحب ام الکتاب — اس بنی کو سمجھائے گا کون — ایک درقہ — اسے سمجھا رہا ہے ایک درقہ — اس کا علم کجا — اس کا علم کجا — اس

کی تعلیم کجا۔ اُس کی عقل کجا۔ جس درجے پر وہ فائز ہوتے ہیں وہاں تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہمارا فہم ان تک پہنچ نہیں سکتا۔ وہ انسان بنانے کے لئے آتے ہیں ہم بننے کے لئے آئے ہیں۔ انسان کو انسان بنانے کے ان کے پاس مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ وہ انسان کو انسان بناتے ہیں پاس بٹھا کے۔ محبت کر کے۔ پیار کر کے۔ سمجھا کے۔ کہیں دور لے جا کے۔ جتنے ذرائع ہو سکتے ہیں سمجھانے کے وہ استعمال کرتے ہیں۔ دیکھو اگر تم انسان بننا چاہتے ہو تو اس طرح کرو۔ کہ مجھے نام کام کرتے ہوئے دیکھتے چلو۔ میں جس طرح نماز پڑھتا ہوں مجھے دیکھ کر ویسی ہی پڑھو۔ اب جو دیکھا ہے۔ اس میں سب کچھ آتا ہے نماز پڑھنا کس طرح۔ کھڑا کس طرح ہوتا ہے۔ رکوع کس طرح کرتا ہے۔ سجدہ کس طرح کرتا ہے۔

دیکھو۔ کس کو۔ رسول کو۔ دن میں پانچ دفعہ دیکھا۔ اب اندازہ لگا لو کہ زندگی میں کتنی ہزار دفعہ دیکھا ہوگا۔ کتنی ہزار دفعہ دیکھی ہوئی لاکھوں صحابوں کی نماز۔ آج تک وہ نماز متنازع ہے کہ کس طرح پڑھی جائے۔ کوئی ہاتھ باندھ کے پڑھتا ہے۔ کوئی ہاتھ کھول کے پڑھتا ہے۔ اس نماز کو جس کو ہزاروں مرتبہ صحابہ نے دیکھا اس کا پتہ نہیں ہے کہ ہاتھ کھول کر پڑھنی ہے یا باندھ کر پڑھنی ہے۔ اگر رسول نے ہاتھ باندھ کر پڑھی تھی تو کھولنا غلط اور اگر ہاتھ کھول کر پڑھی تھی تو ہاتھ باندھنا غلط۔ اور یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ مسلمان۔ ہاتھ باندھنے والے کو ہاتھ کھولنے والے کہہ رہے ہیں اور ہاتھ کھولتے والے کو ہاتھ باندھنے والے غلط کہہ رہے ہیں۔ دونوں نمازی ایک دوسرے ہی کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ اور جو نہ باندھتے ہیں نہ کھولتے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا ہے ہی نہیں۔ جو ہزاروں مرتبہ دیکھی ہوئی نماز کا مسلمان فیصلہ نہ کر سکے۔ کہ ہاتھ کھول کر پڑھی تھی یا کہ ہاتھ



"باغ" کے تھے۔ بعض میں تو مٹھا س بہت زیادہ تھی اور کئی بڑے نرش۔ حالانکہ وہ  
 "میٹھے" آم کے "دائیں بائیں" اکثر ہوا کرتے تھے مگر تاثیر وہ نہ تھی۔ ذرا غور سے مٹا  
 اور کوئی بات یاد نہ رہے گی تو یہ آم کی بات یاد رہے گی۔ خدا تمہیں سلامت رکھے  
 — اب آم میں ہر سال میوہ آتا تھا — کئی سال گزر گئے — ساہا سال بہت  
 گئے — اب کیا ہو گیا۔ اب "فصل" نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل کیا ہے۔ کہ یہ  
 "بلا فصل" ہے۔ جب "فصل" ختم ہوئی تو اب ہو گیا۔ "بلا فصل" — پریشانی ہو گئے  
 کہ اتنا قیمتی پھلدار درخت — فصل آتی نہیں — اسے کیسے باقی رکھا جائے۔  
 تو مالی نے جاننے والے نے کہا۔ کہ اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں۔ اسے "بلا فصل"  
 ہو جانے دو اسے ختم ہو جانے دو۔ ایک آم کا پودا۔ اس کی جنس کا پودا۔  
 آم ہی کا پودا۔ اُسے گھر میں اُگاؤ۔ اور جب تمہارے گھر میں اُگا ہوا پودا ذرا سیانا  
 ہو جائے نا! تو اُسے ختم ہونے والے درخت کے نیچے رکھ دو۔ اور اُس جیسی آب و  
 ہوا ہی میں اُسے رہنے دو اور اس ختم ہونے والے کی ایک شاخ اس پودے ساتھ پیوند  
 کر دو۔ اور اگر پیوند ہو جائے پکا تو شاخ کو کاٹ دو۔ کہ پودا اس قلم کو  
 لے کر پھر اپنے گھر چلا جائے۔ نیا درخت تیار ہو جائے۔ باغِ عالم میں شجرِ نبوت  
 نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بہاریں دیکھیں۔ اور نبوت کا شجرِ جب بلا فصل جو ہوا۔  
 تو اللہ نے اُسی جنس کا۔ جس جنس کی نبوت تھی۔ ایک پودا اپنے گھر اُگایا۔  
 پودا اتنا زور دار تھا کہ گیلے میں شکاف اُگیا۔ اب جو اللہ کے گھر میں اُگا ہوا نبوت کا  
 پودا۔ اُسی جنس کا۔ اب جو ذرا پر پُر زے نکلے۔ تو اُسے ختم ہونے والے  
 شجرِ نبوت کی آغوش میں دے دیا۔ اب وہ ابھی ویسی ہی مل سکے اور ذرا سنبھل جائے  
 — اب اس آبِ ہوا میں جب ذرا شاداب ہوا۔ تو اُس ختم ہونے والے شجرِ نبوت  
 کی ایک ہری بھری شاخ۔ کا پیوند لگ گیا۔ اور یہ پودا اس شاخ کو لے کر اپنے

میں ہیں رشتہ داروں میں ہیں۔ حسین اٹھے۔ بھائیو اب اجازت دینا۔  
 میں خود جا کے ذرا زینب کو سوار کرا دوں۔ امام آئے۔ بہن کو سوار کرایا۔  
 ایک بازو حسین کے ہاتھ میں ایک بازو علی اکبر کے ہاتھ میں۔ عون و محمد فاعلین  
 سنبھالے ہوئے۔ عباس نے محل کا پردہ اٹھایا۔ اب جو محل کے قریب  
 آئیں۔ تو فرمائی کیا ہیں۔ حسین بھائی میرا بازو چھوڑ دو۔ اکبر بیٹے میرا ہاتھ  
 چھوڑ دو۔ امام فرماتے ہیں۔ بہن کیا بات ہے۔ کچھ نہیں ذرا سیر  
 بیٹے زین العابدین کو آواز دو۔ زین العابدین آگئے۔ زین العابدین بیٹا زینب  
 کو تم سوار کراؤ۔ اور سوار ہو گئیں۔ جناب زینب۔ اور عبد اللہ ابن جعفر  
 طیار محل کے پاس خاموش کھڑے ہیں۔ صرف اتنا کہا کہ "خدا حافظ"

میرے محترم سامعین میں بات کو مختصر کرتا ہوں۔ یہ لوگ بتکے پہنچے۔  
 اور جب بتکے سے حسین روانہ ہوئے۔ تو شہر مکہ سے نکل کے یہ قافلہ ایک  
 میل پہنچا ہوگا۔ کہ ایک آواز آئی۔ حسین ٹھہرو۔ اور حسین ٹھہر گئے  
 قافلہ ٹھہر گیا۔ گھوڑے کو روک کر حسین نے آواز کی طرف دھیان دیتے ہوئے  
 قافلے میں کہا کہ عباس بھائی دیکھو کس کی آواز ہے۔ حضور نے اُدھر دیکھ کے  
 کہا۔ غالباً عبد اللہ آ رہے ہیں۔ شوہر حضرت زینب۔ بتکے سے۔  
 سب لوگ اتر گئے۔ عبد اللہ آگئے۔ آئے کس شان سے۔ ایک ہاتھ عون  
 کے کندھے پہ اور ایک ہاتھ محمد کے کندھے پہ۔ پہنچے۔ امام نے فرمایا  
 کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں تو ابھی مل کے آیا تھا۔ حسین ایک کام رہ  
 گیا تھا۔ ایک بات رہ گئی تھی۔ اور عون و محمد سے کہا کہ بچو! مجھے اس نائقے  
 کے قریب لے چلو۔ جہاں تمہاری اماں بیٹھی ہے۔ عون و محمد لائے نافر بھایا  
 گیا۔ عبد اللہ مخاطب ہوئے۔ علی کی بیٹی جا رہی ہو۔ اور زینب جواب



میں کہتی ہیں۔ — ابن عم تیری اجازت نہ ہو تو اتر آؤں۔ میں تو تیری اجازت سے جا رہی ا ہوں۔ مگر یاد رکھنا کہ حسین کے بغیر زینب کا جنازہ اٹھے گا۔ — میں روکنا کب ہوں۔ — میں تو تاکید کرنے آیا ہوں کہ جاؤ تو ضرور گھر زہرا کی بیٹی نو جعفر طیار سے رئیس کی بیوی سے اور سفر کا معاملہ ہے۔ ملک عراق کا سفر ہے۔ حسین جیسی قیمتی شے تیرے ساتھ ہے۔ — خالی ہاتھ جا رہی ہو۔ — اگر کہیں حسین پہ مصیبت بن گئی۔ — اور مصیبت کو ٹالنے کے لئے اگر صدقہ دینا پڑا۔ — تو کیا کرو گی تم خالی ہاتھ جا رہی ہو۔ — اور عون و محمد کے قہر زینب کے ہاتھ میں دے کے کہا کہ یہ دونوں بچے حاضر ہیں۔ — انہیں بھائی کا صدقہ کر دینا۔ — اپنی طرف سے صدقہ کر دینا۔ — اب زینب نے بیٹوں کو باقی زندگی عون و محمد کہہ کے نہیں پکارا۔ — بھائی کا صدقہ کہہ کے پکارا۔ —

معزز سامعین کرام! — رات کے ایک بجے کا وقت۔ — امام مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کہ اتنے میں جناب فضہ آئیں فرماتی ہیں حسین۔ — بہن نے یاد کیا ہے۔ — حسین آئے۔ — کیا دیکھتے ہیں۔ — زینب کے ایک طرف عون کھڑے ہیں۔ — ایک طرف محمد کھڑے ہیں۔ — حسین نے آتے ہی کہا۔ — زینب سلام۔ — فرماتی ہیں حسین غھوڑی دیر کیلئے مجھے بہن نہ کہنا۔ — تجھے میں نے بھائی سمجھ کے اب نہیں بلایا۔ — میری بات سنو۔ — تم ہو حیدر کے بیٹے۔ — میں ہوں جعفر طیار کی بیوی۔ — آج میں حیدر کے بیٹے سے جعفر کے پوتوں کے لئے شہادت کی شہیک مانگتی ہوں۔ — اور بھائیو قصہ ختم ہوتا ہے۔ — بات ختم کرتا ہوں۔ — صبح ہوئی۔ — ایک ایک شہید کی لاش آتی رہی خیمے میں۔ — اور زینب پوچھتی رہی کہ ابھی عون و محمد زندہ ہیں۔ — ابھی عون و محمد کی لاشیں نہیں آئیں۔ — بچے گھر میں آگئے اماں سلام۔ — ہائیں ابھی تم زندہ ہو۔ — میں تو صبح سے مصلیٰ پچھائے بیٹھی ہوں کہ تمہاری لاشیں آئیں اور میں سرخو

صاحبان۔ مختصر سی گفتگو کو پورے غور اور توجہ سے سنیں تاکہ آپ کو وہ بات یاد رہے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ میں آج کی یہ گفتگو اس بات سے شروع کرتا ہوں کہ جتنے بھی انبیاء کو نبیا میں تشریف لائے۔ جن کی تعداد کا صحیح اندازہ اجماعاً نہیں ہے۔ شہرت عام یہ ہے کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار۔۔۔ یہ شہرت عام ہے۔ یہ نہیں کہ یہ تعداد طے شدہ ہے۔ یہ ایک شہرت عام ہے۔ پھر ان تمام انبیاء میں سے بعض کا ذکر قرآن میں ہے اور اکثر و بیشتر کا تذکرہ نہیں۔ مگر ایک بات ان سارے انبیاء کے متعلق مشترک طور پر قرآن میں موجود ہے۔ کہ ان انبیاء نے اپنے تشریف لانے اور ہدایت فرمانے کا مقصد یہ بیان کیا ہے، **بِرَبَّانِ قُرْآنٍ**۔ **بِرَبَّانِ حَقِّ**۔ **وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ**۔ ہم اس لئے دنیا میں آئے ہیں کہ اے دنیا والو تمہارے سامنے حق کی، اور حکم خدا کی تبلیغ کریں۔ یہ بیان کرتے کرتے کرتے کہتے۔ جب نبوت چلتے چلتے خاتم النبیین پر پہنچی۔ ان سے بھی لوگوں نے پوچھا کیا آپ بھی اسی طرح نبی ہیں جس طرح وہ تھے؟ آپ بھی تبلیغ ہی کے لئے آئے ہیں، جس طرح وہ آئے تھے۔ تو آپ نے فرمایا نہ۔ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا۔ میرا مقصد بلاغ نہیں ہے۔ بلاغ کے معنی یہ ہیں کہ بالکل مصلحتیہ ہوئے انداز میں کسی بات کو کسی سے کہہ دیا جائے۔ اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کا ذمہ دار وہ کہنے والا نہیں ہے۔ اسے تبلیغ کہتے ہیں۔ سمجھ میں آیا نہ آپ کے۔ آپ کا کیا مقصد ہے، تبلیغ؟ کہ نہ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا۔ میرے اللہ نے میرے آنے کا مقصد تبلیغ کے علاوہ مقرر کیا ہے۔ کیا؟

کے **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحَكِيمَةَ**۔ میرا مقصد تبلیغ نہیں تعلیم ہے۔

تعلیم چیز اور ہے، تبلیغ چیز اور ہے۔ میں مبلغ نہیں ہوں میں معلم ہوں۔۔۔۔۔

سمجھ میں آیا صاحبان کے؟ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔ ایک یہ بڑا فرق ہے، باقی انبیاء میں اور ہمارے بنی ہیں کہ وہ سب مبلغ تھے، ہمارا رسول معلم تھا۔۔۔۔۔ سمجھ رہے ہونا حضور والا۔۔۔۔۔ مبلغ کے لئے کوئی ایسے چوڑے علم کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ مگر معلم کے لئے۔۔۔۔۔ جس چیز کی وہ تعلیم دے رہا ہے اس کی ہر جزئیات تک کی مہارت ضروری ہے۔۔۔۔۔ مبلغ کا کام ہے کہ دینا۔۔۔۔۔ اور معلم کا کام ہے سمجھا دینا۔۔۔۔۔ دونوں میں لحاظ بڑا مشکل ہے۔۔۔۔۔ اس لئے کہ مبلغ کے سامنے بھی اور معلم کے سامنے بھی جو مجمع آنے گا اس میں ذہین ہوں گے۔۔۔۔۔ کچھ کم ذہین کے ہوں گے۔۔۔۔۔ کوئی گند ذہین ہوں گے۔۔۔۔۔ کوئی توجہ کرنے والے ہوں گے۔۔۔۔۔ کوئی کھلاڑی ہوں گے۔۔۔۔۔ تو مبلغ نے بات کہہ دی گند ذہین سن رہے ہیں۔۔۔۔۔ توجہ والے توجہ دے رہے ہیں۔۔۔۔۔ مگر معلم کو اس طرح بات کرنی پڑے گی کہ ہر طبقے کے آدمی کے ذہن میں وہ بات بیٹھ جائے۔۔۔۔۔ گویا اس کا کام ہے سمجھانا۔۔۔۔۔ تو اتنا فرق تو یہ ہو جائیگا مبلغ اور معلم میں کہ مبلغ کہے گا کہ بھائی ذرا جو سمجھ دار ہیں۔ وہ آگے آجائیں اور جو نا سمجھ ہیں وہ پیچھے بیٹھیں۔۔۔۔۔ مگر معلم کا کام ہے سمجھانا۔۔۔۔۔ وہ یہ نہیں کہے گا۔۔۔۔۔ وہ تو یہ کہے گا کہ بھئی وہ جو ذرا نا سمجھ ہیں جن کی سمجھ ذرا کمزور ہے وہ ذرا اور قریب آجائیں۔۔۔۔۔ سمجھے حضور۔۔۔۔۔ یہ تین فرق ہے۔۔۔۔۔ مبلغ میں اور معلم میں۔۔۔۔۔ اگر یہ بات آپ لوگوں کے ذہن میں آگئی ہے اور یقیناً آگئی ہوگی۔۔۔۔۔ کہ ہمارے بنی کا کام ہے تعلیم۔۔۔۔۔ ان کا کام ہے تبلیغ۔۔۔۔۔ میں کتنی دفعہ آپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں۔۔۔۔۔ آپ ان باتوں کو سرسری سمجھ کر بھول جاتے ہیں۔۔۔۔۔ نظر انداز کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔ مگر یہ بھولنے کی باتیں نہیں۔۔۔۔۔ انہی کے اندر ساری بات ہے۔۔۔۔۔ یہی سارا فلسفہ اور منطق میں۔۔۔۔۔ کہ تعلیم کا قاعدہ یہ ہے۔۔۔۔۔ فقط قاعدہ

یہ۔ یہ۔ سو برس کا ہے۔ — بسم اللہ تم بھی آجاؤ۔ — یہ صاحب ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ — بسم اللہ تم بھی آجاؤ۔ — عمر کوئی قید نہیں۔ — جیسا جیسا طلب ہے، آتا ہے، اس کے مطابق اسے پڑھایا جائے گا۔ — تو اس طرح یہ درس گاہ ہے۔ — خوب سمجھ میں آ رہی ہے، ناہات صاحبان کے؟ — یہ کالج ہے۔ — یہ درس گاہ ہے۔ — جس میں مختلف جماعتوں میں مختلف ملکوں اور طبیعتوں کے طلبہ داخل ہیں اور اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق وہ علم حاصل کر رہے ہیں۔ — معلم ذرہ برابر بھی کوتاہی کسی کے پڑھانے میں نہیں کرتا۔ — سب پہ یکساں توجہ کرتا ہے۔ — یکساں سب سے سلوک کرتا ہے۔ — سب سے مہربانی سے پیش آتا ہے۔ — یہ اور بات ہے کہ گھر جا کے اپنے بچوں کو ٹیوشن کے طور پر بھی پڑھا دیتا ہے۔ — باقی مدرسے میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہے۔ — مدرسے میں سب کو یکساں طور پر پڑھاتا ہے۔ — یہ ہمارا رسول معلم ہے۔ — جب معلم ہے۔ — درس گاہ ہے۔ — کالج ہے۔ — تو اس میں درجات بھی ہیں۔ — یہ میٹرک ہے۔ — یہ ایف ایس ہے۔ — یہ بلا لے ہے۔ — تو اس کے درجات جو ہیں۔ — وہ جو سیلےس کی کتاب ہے اس درس گاہ کی۔ — جہاں نصاب تعلیم اس کا مقرر کیا ہے وہاں اس کے درجات بھی مقرر کئے ہیں۔ — پہلی کلاس یہ ہے۔ — دوسری یہ ہے۔ — تیسری یہ ہے۔ — چوتھی یہ ہے۔ — سب سے۔ — وہ کلاسیں جہاں مقرر ہوئی ہیں۔ — وہ آیت میں آپ کو سنا کہ پھر مجلس شروع کرتا ہوں۔ — اب آپ حضرات نے میری بات پر غور کر لیا ہے اچھی طرح سے؟ — ہوں۔ — آگئے نامدرسے میں آگئے تم؟ — امتحان دینا پڑیگا۔ — یہ نہیں ہوگا کہ چند مہینے میرا سر کھپاؤ اور امتحان کے وقت بھاگ جاؤ۔ — یہ نہیں ہو سکتا۔ — یہ غلط ہے۔ — امتحان بھی دینا پڑے گا اگر آگئے تو۔ — سال بھر بیٹھے رہے کہ یہ پڑھاؤ اور جب میں امتحان کے لئے لے جاؤں تو بھاگ جاؤ۔ — یہ نہیں ہو سکتا

— امتحان صحیح دینا پڑے گا — سبھی حضورؐ اور یہ امتحان بڑی نامرادشے ہے۔  
 — یہ بچے جو امتحان دیتے ہیں ان سے پوچھو — بڑی ہی نامرادشے ہے یہ امتحان  
 — امتحان کے سٹر سے بڑھ کر کوئی جیل نہیں ہے — کوئی خطرناک جگہ نہیں  
 جتنا امتحان کا سٹر خطرناک ہوتا ہے جتنی وہ جیل بڑی ہوتی ہے — امتحان بڑی سخت  
 چیز ہے — یاد رکھو دوستو — میری بات کو بھولنا نہیں — ان باتوں کو یاد رکھنا  
 — امتحان انسان کا بھی ہوتا ہے — امتحان حیوانوں کا بھی ہوتا ہے — درختوں کا بھی  
 ہوتا ہے — پتھروں کا بھی ہوتا ہے — آپ زمیندار ہیں — آپ تو گندم کا  
 امتحان لیتے ہیں — یہ کس قسم کی ہے؟ اور یہ کس قسم کی — تب اسے کاشت کرتے  
 ہیں — روٹی لاء، کپاس کا امتحان لے کر — کون سی؟ کس قسم کی ہے، تب اسے  
 کاشت کرتے ہیں یا نہیں — پتھروں کا امتحان بھی ہوتا ہے — حیوانوں کا بھی —  
 ضلع سرگودھا میں وہ کیا نام ہے؟ ڈپو — کیا نام ہے اس کا؟ — موٹا ڈپو —  
 اس میں گھوڑے پلتے ہیں — فوج کے لئے — تو ہر سال جو گھوڑے تیار ہوتے  
 ہیں نا — وہ جلتے ہیں فوج میں — یہ نہیں کہ جتنے گھوڑے موٹا ڈپو میں تیار ہوتے  
 وہ فوج میں چلے گئے سارے — ایک ماہر آکے ان کا امتحان لیتا ہے گھوڑوں کا  
 — بڑے بڑے تیار، تند رست، اعلیٰ درجے کے گھوڑے، پچھڑے سامنے کھڑے  
 ہیں — اس نے ان میں سے دس چھاٹ لئے — باقی ان فٹ کر دیئے —  
 وہ تو بڑے خوبصورت، شاندار تھے — یہ کیوں ان فٹ کئے تم نے؟ — کہ  
 ہمارا معیار ہے امتحان کا؛ ہم نے انہیں فوج میں لے جانا ہے — ہم نے ان سے  
 تو نہیں کھنچو اتنی ہیں — تو ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ فوج میں جو گھوڑا لے جاؤ وہ تو پ  
 کھینچ کے میدان میں لے جائے — چاہے گولے برسیں — چاہے ہوائی جہاز  
 اوپر سے بم باری کریں — چاہے کچھ ہو — وہ کہیں تو پ لے کے بھاگ جاتے

— سینہ سپر ہونا چاہیے اس کو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری توپ ہی کو لے کر بھاگ جائے  
 نامراد۔ دوسرے ایک جنگ کے میدان میں بھی ہفتوں، مہینوں خندقوں میں رہنا  
 پڑتا ہے۔ دشمن کو تپہ نہ چلے کہ ہم کہاں ہیں۔ وہیں ان گھوڑوں کو ہمارے ساتھ  
 رہنا پڑتا ہے۔ یہ صفت ہو اس میں کہ اگر کہیں دشمن کے خطرے سے چھپنا پڑے تو  
 کہیں نہ ہنہانے نہ لگ جائے۔ ایسے گھوڑے بداصل ہوتے ہیں نامراد۔ اسی بات  
 ان کا امتحان ہوتا ہے۔ تو ہر چیز کا امتحان ہے۔ رسول کا ایک مکتب ہے۔  
 کالج ہے۔ مدرسہ ہے۔ حضور معلم ہیں۔ دنیا ان کی طالب علم ہے۔  
 اس کی کلاسیں ہیں۔ یہ پہلی ہے، یہ دوسری ہے، یہ تیسری ہے۔ اب یہ ان  
 کی ترتیب ہے کہ جس کلاس کا کوئی پہلے پاس کرے۔ ان کلاسوں کی جو ترتیب سلیبس  
 میں ہے وہ یوں ہے۔ بھائی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْعَصْرُ اِنَّ  
 الْاِنْسَانَ لِرَفْعِ خَسْرٍۙ ۝۱۰۰ پہلی کلاس۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، دوسری کلاس۔  
 وَعَلِ الصّٰلِحٰتِ تَسْبِیْحٌ تیسری کلاس۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، چوتھی کلاس۔ وَتَوَاصَوْ  
 بِالصَّبْرِ، پانچویں کلاس۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون انسان کس کلاس میں کامیاب ہوتا  
 ہے۔ کون داخل ہونے والا کس کلاس... ؟ ان انسان لفظی خسر۔  
 ہنسا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طالب علم تڑپا پڑا ہو اور خسر سے ہی راضی ہو جائے  
 یہ پہلی کلاس ہے۔ ان انسان لفظی خسر۔ بالکل پہلی کلاس ہے۔ اس میں  
 تم داخل ہوئے آگے۔ اس میں تم سب نقصان میں ہو۔ سب گھٹے میں ہو۔  
 یہ گھٹا کیا ہے انسان کو؟ نقصان کیا ہے انسان کو؟ اس میں بڑی تفصیلیں ہیں قبلہ  
 ۔ یہ ساری تفصیلات آپ کے سامنے بیان کرنے کے لئے بڑا وقت چاہیے کہ انسان کہاں  
 کہاں، کس کس طرح نقصان میں ہے۔ گھٹے میں رہتا ہے۔ یہ وہ کلاس  
 ہے جس میں سب شامل ہیں۔ لفظی خسر، والی۔ اب اس کلاس کو پاس کیا

کسی نے آگے کلاس آئی۔ ان الذین امنوا۔ یہ ہے گویا کچی کلاس۔  
 اب تم امنوا بن گئے۔ آمنو کے معنی کیا ہیں؟ تمہارے مزاج میں، تمہاری طبیعتوں  
 میں، تمہارے اخلاق میں، تمہاری عادات میں امن پسندی پیدا ہو۔ یہ ہے امن  
 ۔ آمنو، کوئی ایسی شے نہیں جو آسان سے برستی ہو۔ کوئی لباس نہیں جو آدمی  
 کو پہنا دیا جاتا ہو۔ کوئی اور رنگ نہیں جو آدمی پر چڑھا دیا جاتا ہو۔ آمنو کا لفظ  
 'ایمان' سے اور ایمان کا لفظ 'امن' سے بنا ہے۔ یعنی اب تم میں جھگڑا فساد نہیں  
 رہا۔ رٹائی فساد نہیں رہا۔ خواہ مخواہ کو الجھنا نہیں رہا۔ اب تم امن پسند  
 بن گئے ہو یا نہیں۔ سمجھے نا حضور؟ اب امن والی کلاس کا جو معلم ہو گا وہ خود  
 ایسا ہو کہ اس امن میں اس کو دے یہ پہنچ چکا ہو کہ امن قائم رکھنے کے لئے باوجود طاقت کے  
 دنیا بھر کا قی ہے۔ کچھ بھی کہتی رہے، مگر وہ امن کی خاطر اپنے حقوق کو چھوڑ کر خاموش  
 بیٹھ جائے۔ ایسا امن پسند، کل ایمان کہلا کر آمنو کا مصداق بن جاتا ہے۔  
 ایسا ہی معلم دوسروں کو امن سکھا سکتا ہے۔ تم آمنو کلاس پاس کر چکے۔  
 اس لئے تمہارا نام آج سے ہوگا۔ امیر المؤمنین۔ یہ مومنین کی کلاس تمہیں مبارک  
 ہو۔ امیر تو چھوٹی سی چیز ہے، یہ اور بلند ہوگا۔ یہ نہیں کہ امیر المؤمنین پہ جا کے بات ختم  
 ہو گئی۔ مجھے حضور۔ اب تم آمنو کلاس کو پڑھانا۔ تم ہو امیر المؤمنین۔  
 اس کے بعد کیا ہوگا۔ اس کے بعد ہے۔ عمل الصالحات۔ محض پر امن بن  
 کے بیٹھ جانا ہی کافی نہیں۔ آرام سے بیٹھے ہیں۔ کہہ دیا کہ امن ہے۔  
 گھر بیٹھے ہیں بڑے جوصلے سے۔ کیا ہے؟ کہ امن ہے۔ یہ امن نہیں۔  
 سمجھ میں آیا نہ آپ کے۔ کسی کے گھر میں آگ لگ رہی ہے۔ اندر بیٹھے ہیں۔  
 تم تو نہیں جانتے۔ کہ کیا ہے؟۔ جی امن ہے۔ گھر دوسرے کا جلے،  
 تم آرام سے بیٹھو، اس کا نام امن رکھو۔ یہ ہے دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور

سب سے بڑی ذلت — اپنا گھر جل رہا ہو اور ہائے نہ کرے آدمی یہ اور بات ہے۔  
گھر کسی کا چلے، صبر ہم کریں — کیا ہے جی؟ امن ہے — یہ بات دنیا کی سب  
سے بڑی ذلت ہے — سمجھے نا حضور والا — تو امن ہی نہیں ہے کہ جی آرام سے بیٹھے  
میں کیا ہے جی؟ امن ہے — غلط ہے — اسے امن نہیں کہتے — تو جو ہے نا حضور  
والا — اسے امن نہیں کہتے — امن کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ عمل الصالحات  
بھی ہوں — تم ہاتھ پاؤں توڑ کے نہ بیٹھ جانا بلکہ جو نیک کام ہیں وہ بھی کرتے رہنا —  
اب یہ جو نیک کام کا لفظ ہے نا — یہ بڑا مشکل لفظ ہے — حضور — ہر آدمی کے  
مزانج کے مطابق نیک کام کا معیار الگ الگ ہوتا ہے — نیک کام ہر ایک کے نزدیک  
الگ الگ ہے — ایک کام ایک کیلئے نیک اور عبادت ہے وہی کام دوسرے کے لئے  
بد اور بدعت ہے — نیک کام معیار الگ الگ ہے — سمجھے؟ کوئی کسی بات کو  
نیک سمجھتا ہے، کوئی کسی بات کو — کلاس کے لڑکے بیٹھے ہیں — ایک نے کہا  
چل یار دوڑیں — میرا تفریح کر لیں — اس کے نزدیک بہت کمال ہے یہ کہ کلاس  
سے بھاگ کے کھیلا جائے — کھیل رہے ہیں — کسی کے نزدیک یہ نیکی ہے — وہ بیٹھ  
کے پڑھ رہے ہیں — اپنی اپنی بات ہے — اصل میں نیکی کا معیار —  
اگر ہم اپنی عقل سے فیصلہ کرنا شروع کر دیں تو پھر نیکی ایسا عجوبہ بن جائے کہ دنیا میں کہیں  
اس کا وجود نہ پایا جائے — ہر ایک الگ الگ شے کو نیکی سمجھے گا — کوئی کسی بات  
کو، کوئی کسی بات کو — ایک مصیبت بن جائے گی یا نہیں — لہذا ضروری ہے کہ  
نیکی کے کام کو طے کرنے کے لئے کہ عمل الصالحات کیا شے ہے — یہ طے کرنے کے  
لئے معلم ہی کی طرف رجوع کیا جائے — جناب آپ فیصلہ کریں کہ یہ — اس کا معیار  
کیا ہے — ہمارے کرنے سے نہیں — ہم تو اپنے اپنے مزانج کے مطابق صالحات  
بنائیں گے — آپ بتائیں کہ عمل صالح کیا ہے؟ تاکہ ہم ایمان کے بعد وہ عمل صالح کریں —



اور چونکہ آپ معلم ہیں۔ لہذا جو عمل صالح آپ نہیں بنائیں۔ وہ محض محض بتائیں ہی نہیں۔ اس لئے کہ آپ مبلغ نہیں ہیں۔ وہ کر کے دکھائیں۔ آپ نر سے مبلغ ہی نہیں جو صرف بتائیں۔ آپ معلم ہیں۔ عمل صالح ہیں کر کے دکھائیں۔ اس نے کہا اچھا۔ ٹھہرو۔ آؤ۔ تمہیں کر کے دکھانا ہوں۔ تم دیکھتے رہنا۔ چونکہ یہ عمل کا معاملہ ہے، یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قول کا معاملہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو میں کہوں اسے سن لو اور جو عمل ہے اسے دیکھو۔ سمجھو۔ تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ اب میں تمہیں عمل صالح دکھاتا ہوں۔ دیکھو۔ اے۔ اے۔ اے۔ یہ ہے عمل صالح۔ دیکھو اسے۔ نماز سن کے نہ پڑھنا۔ میں نے کہہ دیا نماز پڑھو۔ تم نے پڑھ لی نا؟ صلوٰۃ کما دایتہمونی۔ دیکھو مجھے میں کس طرح نماز پڑھتا ہوں۔ دیکھو۔ آؤ دیکھو۔ نماز عمل صالح جب بنے گی، جب مجھے دیکھ دیکھ کر میرے طریقے سے نماز پڑھو گے۔ دیکھتے رہو اچھی طرح۔ دیکھ رہے ہو۔ ہیں؟ دیکھ رہے ہونا؟ دیکھو کہاں نماز ٹوٹتی ہے۔ کہاں نماز مکمل ہوتی ہے۔ دیکھتے رہو۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے ایک آدمی نے گھڑی کو چابی دینا شروع کر دی۔ ٹوٹ گئی۔ یہ زائد عمل ہے۔ اس سے غلط ہو جائے گا۔ نماز پڑھتے پڑھتے کسی روتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ پھر دیا۔ نماز ٹوٹ گئی نا؟ یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر ان افعال سے نماز ٹوٹتی ہے، کسی معلم نے بتایا ہے۔ تو یہ دیکھتے رہو کہ کہاں نہیں ٹوٹتی۔ اگر بچے کے سر پر ہاتھ پھر دو تو ٹوٹ گئی۔ اور بچے کو گھنٹہ پھر کر پھیلانے رکھو تو نہیں ٹوٹتی۔ یہ معلم بتاتا ہے۔ ہمارے کانٹ کا۔ سمجھو۔ تمہارے فیصلے سے نہیں ہو گا۔ یہ معلم بتائے گا کہ عمل صالحات ہیں کیا شے؟ کہاں نماز میں نقص آتا ہے کہاں نماز پوری ہوتی ہے۔ یہ معلم سمجھتا ہے۔ سمجھو۔ کسی سے عبادت نہ کرو۔ کسی سے جھگڑا نہ کرو۔ تمہیں کوئی حق نہیں کسی کو بڑا یا جھلا کہنے کا۔

معلم کو دیکھو جا کے وہ کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے نماز پڑھو۔ اور نماز کی قبولیت کے  
 لئے درود شریف پڑھو۔ پڑھو نا درود شریف۔ اللہم صل علی محمد  
 وآل محمد والاصحاب محمد۔ یہی درود شریف ہے۔ کیا نماز میں یہی درود  
 شریف پڑھو گے۔ نہ وہاں تو نہیں پڑھنا۔ کیوں؟ کہ نماز نہیں ہوگی۔  
 کہ وہاں کتنی پڑھنی ہے۔ کہ بس۔ آل محمد تک۔ اور نماز کے بعد۔ پھر  
 اصحاب محمدؓ اور نماز میں اگر اصحاب محمدؓ کہہ دو تو نماز نہیں ہوگی۔ اور اگر آل محمدؓ  
 نہ کہو تو نماز نہیں ہونے کا۔ یہ عمل صالح بتایا۔ کہ دیکھو ہم کسی کو برا نہیں کہتے مگر  
 آل اور اصحاب میں یہ فرق ہے کہ آل کا نام نہ لینے سے نماز غلط اور اصحاب کا نام لینے سے نماز  
 غلط۔ اگر وہاں اصحاب کہہ دو تو نماز غلط۔ آل نہ کہو تو نماز ہوگی۔  
 نہیں۔ یہ عمل صالح ہے جو ہمیں بتایا۔ دیکھو ادھر آؤ۔ جس طرح میں عمل کروں اسی  
 طرح عمل صالح بنتے ہیں۔ تمہارے لئے یہ قانون ہے اللہ کا۔ کیا؟ لا طوفو  
 اصواتکم فوق صوت النبی۔ یاد رکھو مسلمانوں! اتنے ادب سے رہنا رسولؐ  
 کے سامنے کہ تمہاری آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جس آواز سے بول  
 رہے۔ اگر تم بولو تو اس کی آواز سے کم آواز میں بولنا۔ خبردار اس کی آواز  
 سے تمہاری آواز بلند نہ ہونے پائے۔ رسولؐ کے ساتھ تمہارا برتاؤ۔ قد  
 جھم بعضکم بعضاً۔ نہ ہو۔ جس طرح تم آپس میں ملے ہو اس طرح نہ ملنا  
 کہ گنگے بل رہے ہیں۔ ہاتھ مل رہے ہیں۔ نہ۔ اس کا فرق رکھنا۔ رسولؐ کا  
 یہ ہے تمہارے لئے، مسلمانوں کے لئے حکم۔ کہ اگر تم رسولؐ کو سامنے آنا دیکھو تو چاہے  
 تم نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہے ہو۔ یہ حکم ہے۔ نماز پڑھ رہے ہو اور رسولؐ نے  
 آواز دی۔ ادھر آؤ۔ فوراً۔ اگر تم نے نماز کی وجہ سے اس کی تعمیل نہ کی تو مر گئے،  
 گھر ہے۔ فوراً۔ رسولؐ کے جواب میں۔ یہ بھی حکم ہے۔ سمجھے حضور۔

یہ عمل صالح ہے ہمارے لئے۔ یہ ہمارا عمل صالح ہے۔ مگر ہم رسول کا عمل صالح کیا دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہم تو آواز اونچی نہیں کر سکتے۔ اس کے بلائے پر نہ بدلیں تو کفر ہو جائے اس کے آگے چل پڑیں تو کفر ہو جائے۔ اس کے سامنے بے لوبی سے بیٹھیں کفر ہو جائے۔ اس کے گھر میں جھانکنا۔ خبردار۔ کفر ہو جائے گا۔ اگر وہ تمہیں کھانے پہ بلائے اس کے برتنوں کو نہ دیکھنا کہ یہ کس چیز کا ہے۔ یہ کس چیز کا ہے نہ دیکھنا۔ کفر ہو جائے گا۔ جس فرش پہ وہ بیٹھا ہے۔ اس پر بیچ کے ادب سے بیٹھو ورنہ کفر ہو جائے گا۔ یہاں ہوا کھانا کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ۔ ام المؤمنین رسولؐ کی زوجہ عزیزہ۔ حضرت ابوسفیان کی بیٹی۔ امیر معاویہ کی حقیقی بہن۔ یزید کی سگی چھوٹی۔ جناب ام حبیبہؓ رسولؐ کی حرم قرم تھیں۔ رسولؐ کی بیوی تھیں ام حبیبہؓ۔ سمجھ گئے ہونا حضور۔ وہ جو رسولؐ کے گھر میں تھیں جناب ام حبیبہؓ۔ ان کے باپ ابوسفیان اپنی بیٹی سے طے آئے رسولؐ کے گھر آئے۔ بیٹی نے سلام کیا۔ کھڑے ہو کے تعظیم کی۔ باپ تھے۔ جب بیٹھنے لگے تو کہا ابا ذرا ٹھہرنا۔ اب جو درمی پھی تھی، اپنی لی۔ بسم اللہ ابا تشریف رکھو۔ زمین پر۔ تو ابوسفیان نے بڑے رعب سے کہا۔ ام حبیبہ جانتی ہو میں کون ہوں۔ میں عرب کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ میں لاکھوں زوجیں رکھتی کرتا ہوں محمدؐ کے مقابل میں۔ عرب میں میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ تو مجھے اس بیٹی ہوئی درمی پہ نہیں بیٹھنے دیتی۔ ام حبیبہؓ نے کہا۔ یہ رسولؐ کے بیٹھنے کا ہے۔ تم چاہے کچھ بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ آج مسلمانوں کی کتابیں مہری پڑی ہیں اور وجد آتے ہیں۔ لوگوں کو کہہ دو کہ واہ ام حبیبہؓ کیا کہنے تیرے۔ ام المؤمنین ہو تو ایسی ہو۔ کہ نہیں بیٹھنے دیا۔ باپ کو رسولؐ کی جگہ پہ۔ ام المؤمنین ہو تو ایسی ہو۔ جو رسولؐ کی جگہ باپ کو نہ بیٹھنے دے۔ ام المؤمنین کی یہ شان ہے۔ یہ اس کا احترام کہو۔ یہ عمل صالح ہے۔

گھر سے باہر ایک قدم بھی رکھ دیتی تو آج یہ بات مشہور ہوتی کہ جناب عورتوں  
 کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ باوجود سمجھانے کے گھر سے نکل آتی ہیں، اسی نے زینب  
 نکل آئی — نہ بالکل نہیں — اکبرؓ شہید ہو یا عونؓ و محمدؓ — چاہے حسینؓ خود  
 کیوں نہ شہید ہوں — کہہ جو گئے ہیں، گھر سے باہر نہیں آتا — بس نہیں آنا  
 زینبؓ تو شریکِ عمل ہے امام زین العابدینؓ علیہ السلام کی — سمجھے حضور — جس  
 وقت حسینؓ اپنا کام ختم کر چکے تو اس نے اگر جگایا ہے امام زین العابدینؓ کو —  
 بیٹا اٹھو — تم غور نہیں کرتے — قُمْ يَا بُنَيَّ — بیٹا اٹھو — پتہ نہیں  
 کتنی دفعہ پکارا ہے بیٹا بیٹا کہہ کے — بیٹا اٹھو — امام نے آنکھ نہیں کھولی  
 بیٹا کہہ کے پکارتی رہی — سمجھ گئیں — ایک دم جوش میں آ کے کہتی ہیں —  
 قُمْ يَا امام زمانتا — میرے زمانے کے علیؓ اٹھ میری مدد کر — اے  
 امام زمانہ اٹھ — اب بیٹا نہیں کہا — اب امام کہا — امام کہہ کے جو پکارا  
 فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے — اب یہ ذمہ داری ہے — کہ امان کیا کہہ رہی ہو؟ —  
 کہ بیٹا تو اس وقت زمانے کا امام ہے — اس فقرے سے ہی سمجھ گئے کہ  
 کیا ہو گیا — بیٹھ گئے اٹھ کے — ذرا خیال نہیں کہ بیماری ہے یا تکلیف ہے  
 — اٹھ کے بیٹھ گئے — اچھا امان! میں امام ہوں؟ — کہ ہاں بیٹا تو امام ہے  
 امام زمانہ ہے اور میں تیری چھوٹی زینبؓ ہوں — امان میں نے پہچان لیا —  
 کہ بیٹا تو تو مجھے پہچانتا ہی ہے — مزدت تو مجھے ہے تجھے پہچاننے کی —  
 درنہ میں جاہلیت کی موت مر جاؤں گی — بیٹا اگر تجھے نہ پہچانا — تجھے مزدور پہچانا  
 ہے — تو زمانے کا امام ہے — امان تم سے بہتر معرفت امام کسی کو نہیں  
 بیٹا یہ تو بات ہو چکی — اب میں تجھ سے بحیثیت امام کے یہ حکم لینا چاہتی ہوں کہ جن  
 خیوں سے ظہیرینؓ کہہ گئے تھے باہر نہ آنا وہ سب عمل گئے — جن خیوں سے باہر نہ

آنے کو حسین نے منع کیا تھا وہ بھی کچھ جل گئے کچھ جل رہے ہیں۔ اب میرے ساتھ یتیم بچے ہیں۔ بیوہ عورتیں ہیں اور بیٹا یہ بھی سُن لے کہ میں بڑی شرمندہ ہو رہی ہوں ان عورتوں سے۔ کسی کا شوہر مر گیا ہے۔ کسی کا بھائی مر گیا ہے۔ یہ غیر خاندانوں کی ہیں جی ان سے شرمندہ ہوں۔ ہماری حمایت میں یہ سب تباہ ہو گئیں۔ میں ان میں سے ایک سے ایک کو سمجھا رہی ہوں۔ بی بیوہ، تمہارا بڑا احسان ہے۔ اور بیٹا سب سے زیادہ شرم مجھے اپنی جبر جالیوں سے آتی ہے۔ بڑے بڑے گھرنے کی خواتین ہیں۔ ہمارے گھر میں ان کی شادیاں ہوئی تھیں۔ جی ان کے سامنے بڑی شرمندہ ہو رہی ہوں۔ وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ فاطمہ کی بہو بن کے یہی حال ہونا تھا۔ بیٹا میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں تو زمانے کا امام ہے۔ مشکل کشا ہے۔ میں تجھ سے حکم لینا چاہتی ہوں۔ تو امام دل میرا بڑا گھرا گیا ہے۔ آخر خاتون ہوں۔ میرا دل بڑا گھرا گیا ہے۔ تو امام زمانہ ہے۔ حکم دے کہ ان سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لے کر تیرے حکم کی دیر ہے ان ہی جنھوں میں جل کے مچاؤں۔ میں ذرا دریغ نہیں کر دوں گی اس بات سے۔ حکم دے جل کے مچاؤں؟ کیا کروں؟ میں آپ کو کیا بتاؤں اس وقت امام زین العابدین پہ کیا گذر گئی۔ اس کا اندازہ دنیا لا کوئی انسان کر سکتا ہی نہیں، جب آپ نے چھو بھی کو حکم دیا ہے۔ عیدکننا بالصحل۔ اماں بختیت امام میں یہ حکم دینا ہوں کہ ان سب کو لے کے خیموں سے باہر آ جاؤ۔ کوئی بچہ جل نہ جائے۔ باہر نکل جاؤ۔ اس حکم کے دیتے وقت جو گذری ہے امام زین العابدین پر اس کا اندازہ کوئی کر سکتا ہی نہیں۔ کہ کیا گذری اس وقت۔ اور نکل گئے۔ اور میرے محترم سامعین یہ سب ہماری باتیں ہیں، ہم جو آپ سے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں جلا ہو خیمہ کسی نے دے دیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔ اُن کے خیمے کا ایک ایک

رہ مل گیا تھا — — — جیب نکل گئیں نا باہر — — — جب باہر آئیں — — —

آگے ریت کے ٹیلوں پہ بیٹھ گئیں — — — اب ان کے سامنے کیا تھا — — — ان مستورات کے ایک طرف جے ہوئے خیموں کی راگھ اور ایک طرف بے سر کے لاشے — — — کبھی ادھر دیکھ رہی تھیں، کبھی ادھر دیکھ رہی تھیں اور اٹھارہ بجائیں کی بہن بیٹھی ہوئی یہ سونج رہی تھی کہ کیا ہو گیا — — — کیا ہو گیا؟ یہ سونج رہی تھی اٹھارہ بجائوں کی بہن اور رات ہو گئی — — — اور آپ یقین فرمائیں کہ وہ بچے جو شب عاشق ساری رات روتے رہے — — — آج نہیں روتے، ایک بچہ نہیں روتا — — — سب ماؤں کی گود میں چُپ — — — یاد ن کے حادثہ سے ہم گئے — — — اتنے ڈر گئے بچے کہ سہمے ہوئے تھے — — — یا اس نے نہیں روتے کہ ہم رو کے کیا کر سکتے ہیں — — — کون مدد کو آئے گا؟ کسے پکاریں ہم — — — سب بچے سہمے ہوئے ہیں — — — بالکل سہمے ہوئے ہیں — — — اب ٹیلوں کی آڑ میں جو مستورات بیٹھی ہیں — — — چار کسی ٹیلے کی آڑ میں، دس کسی ٹیلے کی آڑ میں — — — جہاں جہاں کسی کو جگہ ملتی تھی وہ بیٹھی گئی بے چاری — — — سُن رہے ہونا جی — — — اور جب رات ہو گئی تو امام زمانہ اپنی جگہ سے اُٹھے — — — حضرت امام زین العابدین — — — ایک ایک ٹیلے کے قریب گئے جہاں وہ خواتین بیٹھی تھیں — — — پوچھا جا کے کہ کون ہے؟ کہ فلاں صحابی کی بیوہ ہے — — — فلاں شہید ہونے والے کی بہن ہے — — — فلاں شہید ہونے والے کی ماں ہے — — — اس کے قریب کھڑے ہو کے کہتے — — — بہن تیرے مرنے والے کا بڑا افسوس ہے — — — میں تیرا احسان مند ہوں — — — میں تیرا لشکر گزار ہوں — — — اور جب ایک ایک بابی کو امام نے پُرسوے دیا تو یہ سب اکٹھی ہوئیں امام کے دربار میں اور سب نے یک وقت، یک زبان ہو کے کہا — — — اسی کو 'بین' کہتے ہیں جو مل کر گریہ کیا جائے — — — تو سب نے یک زبان ہو کے کہا کہ — — — زین العابدین — — — تیرے جسے گھوکے اجڑ جانے کا بڑا افسوس ہے — — — تو آپ نے دُعا مانگی — — —

ان سب کا شکریہ ادا کیا۔ اور سجدے میں سر رکھ دیا اور سبحان ربی الاعلیٰ کی آواز  
 کربلا کی فضا میں گونجی اور صبح تک گونجتی رہی۔ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو فریضہ یزید  
 خود اس بات کی گواہ ہے کہ ہم سب نے اپنے کان سے سنا کہ کوئی نبی آواز آرہی تھی۔  
 ارفع راسک انت ستید الساجدین۔ اس عالم میں سجدہ کرنے والے تو سارے  
 سجدہ کرنے والوں کا بادشاہ ہے۔ بس اب تو سر اٹھالے۔ سمجھے۔ اور یہ  
 بات اور آپ کو بتاتا چلوں کہ رات کے دس بجے جب پیر سرداری ہو چکی۔ پتھے سے  
 ہوتے بیٹھے تھے، امام نے فرمایا آتاں۔ اب ان بچوں کے لئے خوراک کا بندوبست بھی  
 ہونا چاہیے۔ کوئی کھانے پینے کی چیز۔ سچے حضور۔ حضور نے کہا۔  
 بی بی نے دیکھا۔ اپنے ہی جلے ہوئے خیموں میں ایک مشک بچ گئی تھی۔ بی بی خود  
 وہ مشک لے کر فرات پر گئیں اور وہاں سے وہ مشک بھر کے لائیں۔ اور جب مشک  
 رہی تھیں بھر کے تو کہہ رہی تھیں۔ عجائس یہ نہ کہنا۔ تم سب نے مل کر جو کام کئے ہیں  
 وہ سب میں کر رہی ہوں۔ میں اب پانی لے جا رہی ہوں۔ ان نغصے بچوں کیلئے  
 لے کے آئیں۔ ان بچوں نے پانی پیا۔ اس وقت سے امام زین العابدین کی  
 زندگی اور زینب کی زندگی شروع ہو گئی۔ ان دونوں کا تذکرہ جب تک ساتھ  
 ساتھ نہ ہو۔ جب تک ذکر مکمل ہوتا ہی نہیں۔ انشاء اللہ العزیز، بشرط خیرت لفظ  
 زندگی، اگر میں زندہ رہا تو آپ کو ان دونوں کا مفصل ذکر سناؤنگا۔ اور اس  
 تذکرے کا انعام میں نے انہی سے لینا ہے۔ امام زین العابدین سے۔ ان سے انعام  
 لینا ہے۔ اور آپ سے یہ کہنا ہے کہ آپ میری ان سے سفارش کر دیں۔ آپ سادات  
 ہیں۔ مونسین ہیں۔ مولا زین العابدین چالیس سال ہو گئے تیرے دروازے  
 پر صدا لگاتے ہوئے کوئی اور دروازہ نہیں دیکھا تیرے دروازہ کے بغیر۔ دنیا تو گذر  
 گئی ہے اور گذر جائے گی۔ عاقبت میں تو ہی سہا رہے اور انجام تمہارے

جسے یہ تم دونوں پہ بھی بھینچوں کے ہاتھ ہے۔ میں نے پنجاب ابلکہ مغربی  
 پاکستان کے گاؤں گاؤں میں زینب کا ذکر پہنچا دیا ہے لوگ زینب سے آشنا  
 نہیں تھے لوگوں کو زینب کا پتہ نہیں تھا آج لوگوں کو پتہ چل گیا کہ زینب کے  
 ذکر کے بغیر یہ ذکر نامکمل ہے۔ باقی انشاء اللہ کل بشرط زندگی آج اتنی  
 ہی بات اللہ تمہیں سدا رکھے تمہیں اس ذکر کی برکات سے نوازے  
 بحق محمد و آل محمد آمین

— ۲ اپریل ۱۹۷۰ کوٹ کرم شاہ (پیر محل) —

— ★ —



— سینہ سپر ہونا چاہیے اس کو — کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری توپ ہی کو لے کر بھاگ جائے  
 نامراد — دوسرے یہ کہ جنگ کے میدان میں ہمیں ہفتوں، مہینوں خندقوں میں رہنا  
 پڑتا ہے — دشمن کو تپہ نہ چلے کہ ہم کہاں ہیں — وہیں ان گھوڑوں کو ہمارے ساتھ  
 رہنا پڑتا ہے — یہ صفت ہو اس میں کہ اگر کہیں دشمن کے خطرے سے چھپنا پڑے تو  
 کہیں ہنہانے نہ لگ جائے — ایسے گھوڑے بد اصل ہوتے ہیں نامراد — اسی باعث  
 ان کا امتحان ہوتا ہے — تو ہر چیز کا امتحان ہے — رسول کا ایک کتب ہے —  
 کالج ہے — مدرسہ ہے — حضور معلم ہیں — دنیا ان کی طالب علم ہے —  
 اس کی کلاسیں ہیں — یہ پہلی ہے، یہ دوسری ہے، یہ تیسری ہے — اب یہ ان  
 کی تزیین ہے کہ جس کلاس کا کوئی پہلے پاس کرے — ان کلاسوں کی جو ترتیب سلیبس  
 میں ہے وہ یوں ہے — بھائی — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْعَصْرَ اِنَّ  
 الْاِنْسَانَ لِرَفْعِ خَسْرٍ ۝ پہلی کلاس — اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَوَعَلِی السَّالِحٰتِ تِیْسِرٰی کلاس — وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، چوتھی کلاس — وَتَوَاصَوْا  
 بِالصَّبْرِ، پانچویں کلاس — اب دیکھنا یہ ہے کہ کون انسان کس کلاس میں کامیاب ہوتا  
 ہے — کون داخل ہونے والا کس کلاس...؟ ان انسان لفظی خسر —  
 ہنہانہیں — کہیں ایسا نہ ہو کہ طالب علم تو بڑا پرانا ہو اور خسر سے ہی راضی ہو جائے  
 یہ پہلی کلاس ہے — ان انسان لفظی خسر — بالکل پہلی کلاس ہے — اس میں  
 تم داخل ہوئے آگے — اس میں تم سب نقصان میں ہو — سب گھٹے میں ہو —  
 یہ گھاٹا کیا ہے انسان کو؟ — نقصان کیا ہے انسان کو؟ اس میں بڑی تفصیلیں ہیں قبیلہ  
 — یہ ساری تفصیلات آپ کے سامنے بیان کرنے کے لئے بڑا وقت چاہیے کہ انسان کہا  
 کہاں، کس کس طرح نقصان میں ہے — گھٹے میں رہتا ہے — یہ وہ کلاس  
 ہے جس میں سب شامل ہیں — لفظی خسر، والی — اب اس کلاس کو پاس کیا

— امتحان بھی دینا پڑے گا — سمجھے حضور؟ اور یہ امتحان بڑی نامراد شے ہے۔  
 — یہ بچے جو امتحان دیتے ہیں ان سے پوچھو — بڑی ہی نامراد شے ہے یہ امتحان  
 — امتحان کے سنٹر سے بڑھ کر کوئی جیل نہیں ہے — کوئی خطرناک جگہ نہیں  
 جتنا امتحان کا سنٹر خطرناک ہوتا ہے جتنی وہ جیل بڑی ہوتی ہے — امتحان بڑی سخت  
 چیز ہے — یاد رکھو دوستو — میری بات کو بھولنا نہیں — ان باتوں کو یاد رکھنا  
 — امتحان انسان کا بھی ہوتا ہے — امتحان حیوانوں کا بھی ہوتا ہے — درختوں کا بھی  
 ہوتا ہے — پتھروں کا بھی ہوتا ہے — آپ زمیندار ہیں — آپ تو گندم کا  
 امتحان لیتے ہیں — یہ کس قسم کی ہے؟ اور یہ کس قسم کی — تب لے لاشت کرتے  
 ہیں — روٹی کا، کپاس کا امتحان لے کر — کون سی؟ کس قسم کی ہے؟ تب لے  
 لاشت کرتے ہیں یا نہیں — پتھروں کا امتحان بھی ہوتا ہے — حیوانوں کا بھی —  
 ضلع سرگودھا میں وہ کیا نام ہے؟ ڈپو — کیا نام ہے اس کا؟ — مونا ڈپو —  
 اس میں گھوڑے پلتے ہیں — فوج کے ٹٹے — تو ہر سال جو گھوڑے تیار ہوتے  
 ہیں نا — وہ جلتے ہیں فوج میں — یہ نہیں کہ جتنے گھوڑے مونا ڈپو میں تیار ہوتے  
 وہ فوج میں چلے گئے سارے — ایک ماہر آ کے ان کا امتحان لیتا ہے گھوڑوں کا  
 — بڑے بڑے تیار، تند رست، اعلیٰ درجے کے گھوڑے، پچھڑے سامنے کھڑے  
 ہیں — اس نے ان میں سے دس چھانٹ لئے — باقی ان فٹ کر دیئے —  
 وہ تو بڑے خوبصورت، شاندار تھے — یہ کیوں ان فٹ کئے تم نے؟ — کہ  
 ہمارا معیار ہے امتحان کا؟ ہم نے انہیں فوج میں لے جانا ہے — ہم نے ان سے  
 توپیں کھینچوائی ہیں — تو ہم یہ بات دیکھے ہیں کہ فوج میں جو گھوڑا لے جاؤ وہ توپ  
 کھینچ کے میدان میں لے جائے — چاہے گولے برسیں — چاہے ہوائی جہاز  
 اوپر سے بم باری کریں — چاہے کچھ ہو — وہ کہیں توپ لے کے بھاگ نہ جاتے